91

إن من الشعر لحكمة وإن من البيان لسحرا

تجلیاتِ قتیل

۱۳۸۴ھ

مصنفہ

شمع ایوانِ سخنوری، آگاہ رموزِ خفی و جلی خطیب البیان جناب حضرت مولینا سید شاہ محمد قائم رضوی چشتی نظامی قتیل مدظلہ العالی سجادہ نشیں آستانہ چشتیہ نظامیہ

داناپور، ضلع پٹنہ، بہار،

بہ اہتمام

طلحہ رضوی برق داناپوری

در مطبع لیبل لیتھو پریس، رمنہ روڈ، پٹنہ ۴ حلیہ طبع پوشید

قیمت:- دو روپے پچاس پیسے

• مصنّف :- محمد [illegible] چشتی نظامی غفرلہٗ قتیل داناپوری،

• ولادت :- ۲۸ جمادی الاولیٰ، روز جمعہ ۱۳۱۱ھ - ایک بجے دن کو داناپور میں پیدا ہوا۔

• ولدیت :- محمد قائم غفرلہٗ ابن زبدۃ السالکین حضرت سیّد شاہ محمد حسین قادری اویسی ابن قدوۃ العارفین حضرت سیّد شاہ محمد امین ابوالعلائی متخلّص بہ حرماں، ابن شیخ المشائخ جناب حضرت سیّد شاہ محمد واحد ابوالعلائی متخلّص بہ پریشاں ابن قطب زمانہ جناب حضرت مخدوم سیّد شاہ تراب الحق قدست اسرارہم - یہ نسب نامہ متعدد کتب انساب میں مکمل و مفصّل تا آخر درج ہے۔

• نسب مادری :- یہ فقیر ماں کی طرف سے نسبًا قادری، یعنی سیّدنا امام حسن علیہ السلام کی اولاد ہے، میری نانہال موضع جتی نگر ہلسہ، ضلع پٹنہ ہے - حضرت قطب الاقطاب سید جمال الدین جانمن جنتی معروف بہ جتی صاحب قدس سرہٗ خواہرزادہ حقیقی حضرت سیّدنا غوث الصمدانی، قطب ربانی محبوب سبحانی سیّد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ و مرید و خلیفۂ اکبر حضرت سیّدنا قطب المدار، خواجہ سید بدیع الدین مدار، مقبول پروردگار رضی اللہ عنہ اس مقام پر مامور تشریف لائے۔ آپ محصور تھے - مگر آپ کے اعزہ میں حضرت ابدال صاحب قادری قدس سرہٗ سے جو آپ کے ہمرکاب تھے - ہلسے میں نسل قادری چلی اور دو محلے سادات قادری کے بسے، اول سید [illegible] بازار جہاں حضرت ابدال صاحب کا مزار مبارک ہے - دوسرے میراں بگہا جہاں حضرت جتی صاحب کا روضہ انور ہے، میراں بگہا میں اب صرف ایک گھر حضرت خالی محترم مولوی سیّد نور العین صاحب

علیہ الرحمۃ، رئیس و زمیندار الہسہ کا موجود ہے۔ جو آپ کے فرزند برادر عزیز سید مسرور عالم
سلمہ، سے آباد ہے۔ اسی طرح سیدا بازار میں بھی اب صرف ایک ہی گھر میری ننہال باقی ہے۔
جو میرے خال زادگان حقیقی مولوی حکیم سید نصیر الدین و سید ولی عالم و پروفیسر سید منصور عالم
ام، اے سلمہ اللہ سے آباد ہے۔ میرے چھوٹے نانا جناب سید عبد اللطیف صاحب علیہ الرحمہ کا مکان موجود
ہے، مگر ان کے نواسے برادرم سید معین الحق ایس۔ ڈی۔ او، اور اُن کے صاحبزادگان سید عزیز الحق
و سید حسیب الحق وغیرہ بھی اب مستقل طور پر منتقل ہو کر پٹنے میں رہتے ہیں۔

بادشاہانِ مُغلیہ میرے ننہالی بزرگوں کے بڑے معتقد تھے، ان بادشاہوں کے اکثر فرامین
و شقے میرے پاس اب تک موجود و محفوظ ہیں۔

• **تعلیم و تصنیفات** :۔ چار پائے بر و کتابے چند، تصنیفات کی فہرست
اخیر صفحے پر ملاحظہ ہو۔

• **تلمذ** :۔ فارسی شاعری میں کسی کا شاگرد نہیں۔ اُردو میں جناب مولانا سید
امیر حسن صاحب بدار آروی جانشین حضرت علامہ صفیر بلگرامی علیہما الرحمہ کا کمترین شاگرد ہوں،
میرا رنگ طبعی صائب ایرانی و غنی کشمیری کا تھا۔ مگر حضرت استاد نے مجھے اس رنگ سے روکا،
بایں ہمہ میرے کلام میں یہ رنگ اکثر ملے گا۔

• **تاہل** :۔ میری پہلی شادی جناب میر حکیم حسن علی صاحب علیہ الرحمۃ، ملکی محلہ آرہ
کی بڑی نواسی سے ہوئی، دوسری شادی جناب سید افاضت حسین صاحب علیہ الرحمۃ، رئیس و
زمیندار رجموانوں ضلع پٹنہ کی منجھلی صاحبزادی سے ہوئی، دونوں اہلیہ مع اپنے بچوں کے راہی ملک بقا
ہو گئیں، تیسری شادی تاج العارفین حضرت مخدوم شاہ مجیب اللہ قادری قدس سرہ صاحب
خانقاہ پھلواری کی اولاد امجاد میں حضرت شاہ علی محی الدین علیہ الرحمۃ کی چھوٹی صاحبزادی سے
ہوئی، یہ بھی انتقال کر گئیں، اپنے جد امجد حضرت تاج العارفین کی پائینتی میں آسودہ ہیں۔

ان سے بفضلہ تعالیٰ ۲ دو لڑکے پروفیسر سیدشاہ محمد طلحہ رضوی برق، ام - اے (ڈبل) صدر شعبۂ فارسی و اردو، جین کالج آرہ، و نور چشم سید شاہ محمد نظام الدین رضوی، متعلم بی اے (فائنل) بی ۔ ایس ۔ کالج داناپور اور ۲ دو لڑکیاں موجود ہیں، سلمہم اللہ تعالیٰ ۔

• **ذریعۂ معاش** :۔ بحمداللہ پوری زندگی کمر کس کے مزدوری کی اور اب پنشن پا رہا ہوں ۔ اس کے علاوہ سیکڑوں انگریزان، بڑے بڑے افسران یوروپین سول و ملیٹری وغیرہ اس فقیر کے شاگرد رہے، نیز تقریبًا پورے ہندوستان میں من حیث مقرر سیرت پاک کے جلسوں میں طلب ہوتا ہوں، یہ سب بھی میرے ذرائع معاش رہے اور ہیں ۔ فَلحمدُ لِلّٰہِ عَلیٰ ذٰلکؕ ،

• **بیعت** :۔ داناپور محلہ شاہ ٹولی میں ۱۰۴۵ھ سے ہمارے بزرگوں کا ایک آستانہ بنام "استانۂ چشتیہ نظامیہ داناپور" قائم و موجود ہے ۔ یہ آستانہ پاک بعد میں ۲ دو آستانوں کا مجموعہ ہوگیا، اوّل آستانۂ داناپور، دوم آستانۂ کالپی شریف ضلع کان پور، یہ دونوں آستانے حضرت قطب العالم سید المجذوبین حضرت مخدوم سید شاہ محمد یٰسین رضوی چشتی نظامی داناپوری قدس سرہٗ، المولود ۵ ربیع الاوّل ۱۰۹۷ھ میں ایک ہوگئے ۔ آستانہ کالپی شریف حضرت کا دادیہالی آستانہ ہے اور آستانۂ داناپور نانیہالی، آپ اس آستانۂ پاک کے تیرھویں سجّادہ نشیں ہیں، نسبًا باقری الرضوی ہیں ۔ اسی لئے آپ کے اعقاب رضوی کہلاتے ہیں ۔ بادشاہانِ وقت، وزرا، نوابان وغیرہ برابر حاضر آستانہ ہوتے اور یہ تمام جائدادیں جو اس آستانۂ پاک میں تھیں، وہ سب عطیّات شاہی تھیں، شاہ ٹولی کا سابق نام محلہ پھلواری تھا، مگر بعد میں شاہ ٹولی ہوگیا ۔ اس فقیر کو اسی آستانۂ پاک کے انیسویں سجّادہ نشیں سید التارکین جناب حضرت سید شاہ محمد شرف الدین حسین چشتی نظامی قدس سرہٗ سے ۱۳۴۲ھ میں بیعت حاصل ہوئی، حضور اس غلام کے اخص اقربا میں جد امجد ہیں، بیعت کے بعد ہی خلافت جمیع سلاسل قادریہ

وچشتیہ وسہروردیہ ومداریہ ونقشبندیہ وفردوسیہ وغیرہ وسجادگی آستانہ شریف عطا فرمادی، چنانچہ ۱۳۴۲ھ سے خدمت آستانۂ پاک کررہا ہوں، اللہ تعالیٰ میری لاج رکھ لے، بحرمت النبی وآلہ الامجاد، صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین۔

فارسی کا ایک دیوان بنام "ساغرکیف" اور سوا دوسو اُردو رباعیوں کا ایک مجموعہ بنام "رباعیات خاص" پیش کرچکا ہوں۔ اب یہ اُردو کا دیوان حاضر ہے، جس میں صرف غزلیں ہیں اور اصناف سخن انشاء اللہ تعالیٰ دوسرے دیوان میں حاضر کروں گا۔ یہ دیوان تیس سال قبل ہی ۱۳۵۵ھ میں بنام تاریخی "نوشتۂ حسن وعشق" چھپنے والا تھا۔ مگر نہ چھپ سکا، حضرت حسّان الہند علّامہ تمنّا عمادی مجیبی پھلواروی مدظلہٗ نے اسی زمانے میں ایک تقریظ بھی لکھی تھی۔ جسے میں محض احتراماً درج کرتا ہوں۔ ورنہ اپنی بے مائگی وبے بضاعتی پر مجھے شرم آئی اور میں نے کسی کو بھی زحمت تقریظ وتاریخ نہ دی، ناظرین کرام سے امید عفو وکرم رکھتا ہوں۔ والسّلام مع الاکرام۔

قتیل غفرلہٗ

۲۹ ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ

مطابق ۳ مئی ۱۹۶۵ء

از حسان الہند اُستاذ الاساتذہ حضرت علامہ تمنّاؔ عمادی مجیبی پھلواروی مدظلہ العالی

شمعِ ایوانِ سخن، شاہ محمد قائم
زیبِ سجادۂ چشت و متخلص بہ قتیل

ان کے اشعار ہیں خود ان کی مہارت کے گواہ
یعنی خورشید کی دنیا میں ہے خورشید دلیل

اپنے انداز بیاں میں ہیں وہ آپ اپنی مثال
سعی حاصل ہے اگر ڈھونڈے کوئی ان کا مثیل

رنگ میں آتش و ناسخ، تو ادا میں ہیں وزیر
ہیں بلاغت میں جلال اور فصاحت میں جلیل

حسن میں نکھرے مصاریع گل روئے بتاں
نوک میں چبھتے مضامیں، مژۂ چشم کحیل

بارک اللہ وہ انشاد کا انداز نوی
بہر حساد جو ہر بزم میں ہے کوس رحیل

ان کی غزلوں سے نمایاں نہ ہو کیوں شانِ جمال
کہ ہر اک شعر ہے آئینۂ اللہ جمیل

آیا جو لفظ وہ سو حسن کا ضامن بن کر
جن میں جو حسن ہے وہ لاکھ محاسن کا کفیل

ان کے شعروں پہ ہو جب غلغلِ تحسیں ہر سمت
جمع حساد میں برپا ہو نہ کیوں شور عویل

گنبدِ بسملۂ پاک، سرِ لوح جو ہے
گویا روشن ہے سر عرش معلّٰی قندیل

بندشیں چست، زباں صاف، مضامین بلند
ایسے اقوال ہیں جن میں نہ کوئی قال نہ قیل

فضلِ حق سے ہے عروض اور قوافی پہ عبور
فن پہ تاسیس سخن ہو تو ہو کیوں عیب دخیل

ان کو اللہ نے گنجینۂ معمور دیا
اور حساد تنک ظرف کو خالی زنبیل

ہے دعا سلّمہ اللہ تعالے ابدا
اور اس اجمال میں مضمر ہے ہزاروں تفصیل

رہیں سرچشمۂ توفیق یہ بن کر یارب
ان سے دنیا میں چلے رشد و ہدایت کی سبیل

کہہ کے "آمین" تمنّاؔ تو یہ قطعہ کر ختم
کہ نہ ہو جائے کہیں نظم تری طول طویل

۲۴ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ

۷ فروری سنہ ۱۹۳۷ء روز یکشنبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بجا یکتا ہے دل پر نقش اُتر کر قدِ دلبر کا — قلم ہے دستِ قدرت میں الف اللہ اکبر کا
اساسِ فضلِ بے پایاں، بنائے امن بے غایت — ستونِ قصرِ جنّت ہے الف اللہ اکبر کا
بہارِ بے خزاں، حسنِ فضائے عرصۂ جنّت — ہے سروِ گلشنِ اسلام الف اللہ اکبر کا
فنائے ذاتِ حق، نامِ خدا، منصورؒ وحدت ہے — کھنچا ہے دار کی صورت الف اللہ اکبر کا
گزر کر گوشِ باطل سے حریمِ دل ہی جا اسکی — سنان روح فرسا ہے الف اللہ اکبر کا
نشانِ منزلِ اوّل، سراغِ مقصدِ آخر — ہے سنگِ شاہراہِ عشق الف اللہ اکبر کا
حصولِ کنزِ مخفی، فتحِ بابِ کشورِ معنی — کلیدِ قفلِ عرفاں ہے الف اللہ اکبر کا
قیامت ہی قیامت ہے، سراپا حشر منظر ہے — شبیہہ قدِ جاناں ہے الف اللہ اکبر کا

عجب کیا زخمِ دل سے بُوئے وحدت اے قتیل آئے
کہ پیکاں بن کے ہے پیوست الف اللہ اکبر کا

وضو کر کے میں لکھوں وصفِ سرکارِ پیمبرؐ کا
الٰہی بھیج دے چشمہ کوئی جنت سے کوثر کا

فروغِ "اللہ اکبر" رنگِ رخسارِ پیمبرؐ کا
کلیجہ آج تک ہے ٹکڑے ٹکڑے ہر گلِ تر کا

صباحت ماہِ کنعانؑ کی، ملاحت مہرِ بطحاؐ کی
بہ ظاہر کر دیا پلّہ گراں ہے سیم سے زر کا

ہے اب تک زرد فرطِ شرم سے خورشید کا چہرا
وہ کب دیکھا تھا جلوہ اس نے نقشِ پائے انور کا

گلِ فردوس کی صورت ہے خوشبو دار اک زائر
غبارِ راہِ طیبہ میں ہے عالم مشک و عنبر کا

لقائے روئے انور، دیدۂ بیمار کا درماں
ہوائے گیسوئے پرخم مداوا قلبِ مضطر کا

تمنا چشمِ تر کی، فرشِ راہِ شوق ہو شاہا
ہو خاکِ آستانِ عرش منزل، مدعا سر کا

یہ کاسے میری آنکھوں کے الٰہی تا بہ کے خالی
کوئی قطرہ ہی اس میں شربتِ دیدارِ سرور کا

دلِ صد پاش کا ہر خانہ، خلوت گاہِ اقدس ہو
اور آنکھوں کا اک اک پردہ ہو پردہ بابِ اطہر کا

نشانِ زخمِ پیرِ چرخ چمکا ماہِ نو بن کر
ازل میں کب دیا تھا تیغِ ابرو نے تری چرکا

قتیلِ بے نوا کے سر پہ سایہ تا ابد یا رب
علیؓ عثمانؓ، عمرؓ، بوبکرؓ اور ان چاروں کے سرورؐ کا

کر سکے کچھ نہ دمِ معرکہ دشمن میرا
نامِ اللہ کا مشکل میں ہے جوشن میرا

لمعِ رخ محبوب سے پُر نور ہے مسکن میرا
روشنی برق سے لیتا ہے نشیمن میرا

بڑھ کے کانٹوں نے لیا دستِ جنوں سے جو بچا
دشتِ وحشت میں بھی کیا چیز ہے دامن میرا

چار چاند اور لگے نعلِ سُمِ توسن سے
رونقِ روئے زمیں ہو گیا مدفن میرا

یاد ہر گاں میں سوئے دشت جو لائی وحشت
خار بڑھ بڑھ کے پکڑنے لگے دامن میرا

ابر بن بن کے نکلتی ہے شعاعِ رخِ صاف — خاتمہ کر دے نہ اس شوخ کی چلمن میرا
کانٹا سا ہے لگا ہوں میں برنگ مژگاں — چشمِ صیاد میں رہتا ہے نشیمن میرا
پھونک کر دیکھ تجلائے سرِ طور اے برق — چار تنکوں کا تماشا ہے نشیمن میرا
بے ردا، خاک بہ سر، تیرگی، ہُو کا عالم — حسرت و یاس کی تصویر ہے، مدفن میرا
یادِ زلف اور بھی وحشت میں دباتی ہی گلا — کر دے قصہ نہ کہیں پاک یہ الجھن میرا
بدگمانی کا بُرا، ہوتی ہے ہموار زمیں — کوئی تو وہ ہو، سمجھتے ہیں وہ مدفن میرا
تابِ عارض پہ ہے جمعیتِ خاطر موقوف — برق پھرے پہ ہے، اللہ رے خرمن میرا
دور و نزدیک کی بات، اس پہ سرانجام کا فرق — دل ذرا دیکھ تو اے وادیٔ ایمن میرا
ہو مبارک تجھے اے باغِ جہاں تیری بہار — چار پھولوں کو ترستا رہا مدفن میرا

جو فلک سہہ نہ سکے رنج وہ سہتا ہوں قتیل
فرطِ آلام سے دل ہو گیا آہن میرا

ہے آئینے میں عکس مرے گلعذار کا — جلوہ بہار دیکھ رہی ہے بہار کا
اُف لے شہابِ حُسن سی رخ اس نگار کا — آغوشِ گل میں جیسے نشیمن بہار کا
آنا ترا وہ ناز سے، جانا عتاب سے — تصویر یہ خزاں کی وہ نقشہ بہار کا
عنبر شمیمِ گل ہیں، تو لالے ہیں مشکبیز — پھولوں نے عطر کھینچ لیا ہے بہار کا
اُٹھ کر چلا ہے ابرِ سیہ جانبِ چمن — دوشِ ہوا پہ تخت رواں ہے بہار کا
کلیاں چٹک چٹک کے زرافشاں ہیں باغ میں — لٹتا ہے صبح و شام خزانہ بہار کا

بلبل کے پاؤں دامِ رگِ گل میں جا پھنسے
صیاد بن کے آگیا موسم بہار کا

ہر پھول بن گیا ہے زرِ گل سے اشرفی
سکّہ چمن پہ بیٹھ گیا ہے بہار کا

پیری کی داستاں کہ جوانی کا ماجرا
تفصیل وہ خزاں کی، یہ قصّہ بہار کا

کھِل کھِل کے غنچہ غنچہ ہے آئینۂ جمال
گھونگھٹ اُلٹ گیا ہے عروسِ بہار کا

~~سینے~~ کے داغ فصلِ چمن میں ہرے ہوئے
اِک ہار ہے گلے میں نمونہ بہار کا

داغوں سے دل ہی آپ گلستانِ بے خزاں
اب آئے یا نہ آئے زمانہ بہار کا

موجِ صبا میں جھوم رہی ہے کلی کلی
ہر شاخِ گل چمن میں ہے جھولا بہار کا

بلبل کو بھی قفس میں نکلنے لگی کلی
صیّاد دیکھ، آگیا موسم بہار کا

فصلِ چمن کی جس کو تمنّا ہو اے قتیل
دیکھے مری غزل میں تماشا بہار کا

کشتہ ہوں میں جو گیسوئے عنبر نثار کا
خوشبو ہے پھول میرے چراغِ مزار کا

دیدار اگرچہ ہو نہ سکا روئے یار کا
دنیا میں نام رہ گیا امیدوار کا

گر جاؤں بھی تو دامنِ مقصد میں جذب ہوں
اشکِ فتادہ ہوں تجھے اعتبار کا

ابرو جو ہیں کشیدہ تو میلی نگاہِ ناز
آنکھوں میں رنگ آگیا دل کے غبار کا

اپنا وجود آپ ہی دشمن ہے وقتِ بد
خطرہ شکار کو ہے لہو خود شکار کا

داغِ جبینِ عشق ہے توہینِ نامِ حسن
ننگِ جنوں ہی ہجر میں آنا قرار کا

کھُلتا نہیں یہ عشق کمر بھی ہے کیا بلا
اب تو نشان بھی نہیں میرے مزار کا

دبنا تھیں میرے اشکوں سے اُن کی کدورتیں — برسات میں محال ہے اٹھنا غبار کا

دشمن کی بھی رسائی ہے بزمِ نگار تک
جیسے گزر قتیل گلستاں میں خار کا

عاشق کبھی مصروفِ فغاں ہو نہیں سکتا — پختہ ہو اگر آگ، دھواں ہو نہیں سکتا

ایمن ہے جفاکار سے ہر صاحبِ حیرت — باغِ گلِ تصویر خزاں ہو نہیں سکتا

ممکن ہی نہیں فیض کبھی اہلِ ستم سے — پانی کبھی خنجر کا رواں ہو نہیں سکتا

سُن سُن کے پیے جاتے ہیں واعظ کی یہ میکش — کیا ان سے علاجِ خفقاں ہو نہیں سکتا

سیدھی نہ کبھی ہو گی کماں صورتِ ناوک — جو ہو گیا بوڑھا، وہ جواں ہو نہیں سکتا

چڑھتا نہیں پروان کوئی اشکِ فتادہ — گر جائے تو یہ طفل جواں ہو نہیں سکتا

ہے سخت مزاجی پہ شرف، نرم دلی کو — دنداں کوئی ہمسنگ زباں ہو نہیں سکتا

ہاں مانتا ہوں ابروئے خمدار کا لوہا — خنجر مری گردن پہ رواں ہو نہیں سکتا

درکار جوانوں کو ہے پیروں کا سہارا — بے زورِ کماں، تیر رواں ہو نہیں سکتا

دو دن کی جو ہو بات، تو واعظ کی سنوں بھی — مجھ سے تو یہ سارا رمضاں ہو نہیں سکتا

کیا خاک وہ کر سکتا ہے اوروں کی ہدایت — جو اپنے ہی دل کا نگراں ہو نہیں سکتا

ممکن ہی نہیں روح کبھی جسم میں ٹھہرے — جوہر کبھی پابندِ مکاں ہو نہیں سکتا

غافل نہیں، مردہ ہے قتیل اپنا دلِ زار
زندوں کو تو یہ خوابِ گراں ہو نہیں سکتا

گیسوئے دوست، فتنوں کا عنوان ہو گیا
کعبے میں کفر، دیر میں ایمان ہو گیا

آنکھوں پہ ان کی دل مرا قربان ہو گیا
پریوں پہ خود نثار سلیمانؑ ہو گیا

اللہ رے شور حسنِ ملیح نگار کا
ایک ایک زخم میرا نمکدان ہو گیا

سرخاب کا تو پر نہیں بیکِ نگاہ میں
دل تک ہمارے آتے ہی پیکان ہو گیا

کیا آبرو ہے آئینۂ حسنِ یار کی
جس کی نگاہ پڑ گئی، حیران ہو گیا

کھنچ کر ملا تو تیغ تھا وہ نرگسِ کج ادا
جب راستی پہ آ گیا پیکان ہو گیا

فصلِ بہار آتے ہی ہوتا ہے تار تار
دامن گلوں کا میرا گریبان ہو گیا

تھا قتل میرا، خنجرِ فولاد سے محال
تیغِ نظر جو مل گئی آسان ہو گیا

اُتری نگہ جو زلف سے عارض پہ آ پڑی
اتنا گرا یہ کفر کہ ایمان ہو گیا

تھا بانکپن سے موئے مژہ تیغِ آبدار
پر لگ گئے نظر کے تو پیکان ہو گیا

میں قتل ہو کے بھی نہ سبکدوش ہو سکا
سر کیا کٹا کہ سر پہ اک احسان ہو گیا

لکھی جو آستانۂ محبوب کی صفت
ہر شعر بڑھ کے بیت سے ایوان ہو گیا

تھی وقتِ قتل یاد جو اک جامہ زیب کی
خنجر گلے تک آ کے گریبان ہو گیا

نکلا نہ ڈوب کر دل غمِ دوست سے مرے
پیکان بھی بدنصیب کا ارمان ہو گیا

ابرو کا نقش اُتر کے بھی شمشیر تھا قتیل
خاکہ کھنچا جو قد کا تو پیکان ہو گیا

چاہِ الفت میں جو گر جائیے گا
تختِ یوسفؑ کی طرح پائیے گا

بانکپن گر کبھی دکھلایئے گا
موجِ شمشیر نظر آیئے گا

میرے پہلو میں اگر آیئے گا
جیسے درد اٹھتا ہے اٹھ جایئے گا

رخِ پُرنور جو دکھلایئے گا
آئینہ بن کے چمک جایئے گا

وہی ہو جائے گا ہمچشمِ کلیمؑ
اپنی صورت جسے دکھلایئے گا

صبح تک آنکھ نہ جھپکی بہ خدا
میں سمجھتا ہی رہا آیئے گا

کوئی جھوٹا جو ہو وعدہ کرنا
میرے ہی سر کی قسم کھایئے گا

نقشِ پا بن کے پڑا ہوں سرِ راہ
مٹ ہی جاؤں گا جو اٹھوایئے گا

نخلِ الفت سے قتیلؔ اس گل کے
آپ شمشیر کا پھل پایئے گا

آنکھوں نے دل کو عشقِ ذقن میں پھنسا دیا
ساتھی کو ساتھیوں نے کنوئیں میں گرا دیا

مٹ کر بھی حسنِ یار کا ہم نے بڑھا دیا
قدموں پہ پس گئے بھی تو رنگِ حنا دیا

چو کا علاج زخمِ جگر میں یہ چارہ گر
مرہم میں اُس نے بھول کے مشکِ خطا دیا

آکر ہوا جو پیرِ کنعاں اسیرِ مصر
قسمت نے بڑھ کے سایۂ بالِ ہُما دیا

اے حسن، تجھ سے عشق کا پلہ سبک نہیں
گیسو نہیں تو دل کو مقدر رسا دیا

زلفوں کا ذکر آگیا، توصیفِ خال میں
اِک مختصر سی بات کو قصّہ بنا دیا

چھڑکا نمک جو یار کے حسنِ ملیح نے
فرقت میں اور زخمِ جگر نے مزا دیا

اُس شوخ کو جو ہم نے لکھا غیرتِ پری
نامے کو چاک کر کے ہوا میں اُڑا دیا

گلشن میں زر سے بھر گئیں غنچوں کی مٹھیاں   صدقہ جو اس نے حسن کا نامِ خدا دیا
کشتوں میں روح پھونک گئی چشمِ سحر فن   جادو کا زور دیکھیے مردہ جلا دیا
داغِ فراق، سوزِ جگر، اضطرابِ دل   سب کچھ ہے اُن کے عشق میں اللہؔ کا دیا
اُفتادِ عشق کا جو لکھا ان کو ماجرا   قاصد نے راستے میں کہیں خط گرا دیا

مستی بھی احتیاج سے فارغ نہیں قتیلؔ
اللہ نے سبو کو بھی دستِ دعا دیا

محو یہ زلف میں، وہ چہرۂ روشن میں رہا   رابطہ ایک نہ اک شیخ و برہمن میں رہا
بخیۂ چاکِ گریباں دمِ وحشت معلوم   اتنا رشتہ بھی رفوگر کی نہ سوزن میں رہا
کثرتِ تارِ نظر ہو گئی چہرے پہ نقاب   بے حجابی پہ بھی، وہ نور کی چلمن میں رہا
ایک کافر کی محبت نے یہ عزت بخشی   دل مرا بت کی طرح دستِ برہمن میں رہا
نقل و اصل ان میں بڑا فرق ہوا کرتا ہے   نور آکر نہ کبھی دیدۂ روزن میں رہا
جم گیا زنگِ جنوں اور بھی بالائے جنوں   ایک پیوند گریباں کا بھی دامن میں رہا
کثرتِ شوق و تمنا میں بھی ہوں داغ بہ دل   ایک شعلہ بھی ہمیشہ مرے خرمن میں رہا
غیر ممکن ہے کثافت پہ لطافت کا اثر   ہو کے مخلوط کبھی آب نہ روغن میں رہا
زخم پر زخم دیئے، غیر کے بہکانے سے   تیغ بن کر وہ ہمیشہ کفِ دشمن میں رہا
آبلے آئے، کبھی داغ رہے، زخم کبھی   اِک نہ اک ہار ہمیشہ مری گردن میں رہا
کج وہی کھنچ کے جوانی میں ہوا صورتِ تیغ   راست جو تیر کے مانند لڑکپن میں رہا

دم سوفار تھا یارب کہ کوئی آبحیات
استخواں بن کے اک اک تیر مرے تن میں رہا

یاد رخ میں دل زخمی کو بھی زلفوں کی بھی فکر
دھوپ کے ساتھ ہی اک ابر بھی گلشن میں رہا

مے گلگوں نہ سہی، خون کے آنسو ہی سہی
اک نہ اک داغ ہمیشہ مرے دامن میں رہا

جیسے تسبیح رہا کرتی ہے ہاتھوں میں قتیل
دلِ صد پاش مرا یوں کفِ دشمن میں رہا

ہجر کی شب دل مضطر تہ و بالا ہوگا
درد بن بن کے اُٹھے، غم سے جو بیٹھا ہوگا

دل، تری راہ میں یوں محو تماشا ہوگا
بیٹھ کر نقش قدم دیدۂ بینا ہوگا

غم جو ہے نوک کی، غربال کلیجا ہوگا
ہر نفس ہجر میں اُس ترک کے کانٹا ہوگا

اپنے ہی اشک میں ڈوبے شب غم کشتی عمر
ہم جہاں بیٹھ کے رو لیں، وہی دریا ہوگا

بے سبب ہنس نہیں سکتا ہے کوئی زخم کبھی
ہاتھ اس قاتلِ نومشق کا اُوچھا ہوگا

یوں شبِ ہجر مرے گھر میں تھا ہُو کا عالم
جس طرح قبر میں انسان اکیلا ہوگا

میری وحشت بھی ہے کوزے میں سمندر کی مثال
ٹوٹ کر پاؤں کا ہر آبلہ دریا ہوگا

بعد مُردن بھی یونہی عشق نے باندھی جو ہوا
خاک ہوکر بھی غبار اپنا بگولا ہوگا

جو کھنچے بھی کمرِ یار کا نقشا کوئی
نقش مضموں مرے اشعار میں عنقا ہوگا

پیکرِ غم کے اطراف ہیں، یہ موت و حیات
ایک پہلو جو ہے سیدھا، تو اک اُلٹا ہوگا

چولہ رہنے جو لگا زخم جگر میں اپنے
اُس نے دز دیدہ نظر سے کبھی دیکھا ہوگا

کٹ گئی منزلِ اوّل ہی پہ گردن جو مری
راستہ یار کی تلوار نے کاٹا ہوگا

جا چکی اب تو خلش درد کی ناعمرِ قتیلؔ
کیا خبر تھی کہ دل اک ترک پہ شیدا ہوگا

تمنا کا ہے ڈھلا، بُشریٰ ہے نڈھال، ایک ایک سہارا ٹوٹ گیا
یہ حال جو دیکھا ہجر کی شب، خود موت کا جی بھی چھوٹ گیا
آنکھیں جو ملائیں ساقی نے، لغزش سی ہوئی، سنبھلا نہ قدم
ساغر نہ گرا ہاتھوں سے مرے، ایک آبلہ دل کا ٹوٹ گیا
سینہ ہے تو چور، آنسو ہیں تو خوں، دشمن کو بھی دے یہ دُکھ نہ خدا
آیا بھی تو غم آتے ہی مرے، ہر پارۂ دل کو کوٹ گیا
اِک ہوک اٹھی اور اشک بہے، اللہ ری مصیبت فرقت کی
یہ دل نہ ہوا، اِک آبلہ ٹھہرا، ٹھیس لگی اور ٹوٹ گیا
خود اک تو فراق اور اُس پہ نظر میں گردشِ چشمِ ساقی کی
تقدیرِ سبو کش بن کے اِک اک، ساغر جو چلا، وہ پھوٹ گیا
لغزش میں قدم کی جام کا گرنا، موت ہے ساقی رندوں کی
یہ عمر کا تھا پیمانہ مرے، جو ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا
دل ہو کہ قتیلؔ جگر ہو مرا، زلفوں کے تصوّر میں نہ بچا
موقع جو ملا تاریکی میں، قزّاقِ شبِ غم لوٹ گیا

ابرو میں اگر کاٹ ہو تیغِ صفہاں کا   گردش تری آنکھوں کی کرے کام فساں کا

بے پیر نہ چلنے کا کوئی کام جواں کا
ہر تیر نظر آتا ہے محتاج کماں کا

ممکن ہی نہیں ربط کبھی پیر و جواں کا
خالی ہی رہا تیر سے آغوش کماں کا

میخانے پہ اے پیر مغاں جام چڑھاؤں
واعظ کا اگر دور مرض ہو خفقاں کا

ایمن ہیں جفاؤں سے بجا اہل خموشی
ملتے ہیں جو لب ٹوٹتا ہے زخم کا ٹانکا

اللہ یہ کس روئے طلائی کا ہے سایہ
دھوکا ہوا نرگس پہ چمن میں یرقاں کا

چرکا جو لگائے کبھی وہ چشم سخن گو
پیدا دہن زخم میں ہو نطق زباں کا

آنکھیں جو ملیں یار نظر ہو گئی دل سے
پہنچا ہے کہاں تیر، نشانہ تھا کہاں کا

فردوس قتیل اپنی ہے جاگیر ازل سے
ہے خون مرے جسم میں مخدوم جہاں (رض) کا

پہلو میں یار، ہاتھ میں ساغر شراب کا
میرا مکان برج ہے، دو آفتاب کا

ساغر میں عکس ہے رخ طلعت مآب کا
آج آفتاب برج ہے خود آفتاب کا

صحن فلک ہے یا کوئی رندوں کی انجمن
گردش میں رات دن ہے قدح آفتاب کا

اک جام میں امنگ جوانی کی آ گئی
میرا شباب بھی ہے شباب آفتاب کا

بہزاد کھینچ دے رخ محبوب کی شبیہ
رکھ لوں بیاض دل میں ورق آفتاب کا

رندوں کے دم سے روشنی بزم دہر ہے
ہوتا ہے میکدے سے طلوع آفتاب کا

کیوں ہو زمین اس کی نہ ہمدوش آسماں
جلوہ ہر ایک شعر میں ہے آفتاب کا

ہے عکس ہر دو عارض پر نور جام میں
ایک آفتاب برج ہے دو آفتاب کا

ہے لطف مئے فروغِ جوانی تک اے قتیلؔ
ڈھلتا ہے دوپہر سے شباب آفتاب کا

تازہ ہے رنگ مصحفِ رخ پر شباب کا
میلا ہوا نہ ایک ورق بھی کتاب کا

کیا حل ہو عقدہ خالِ رخِ بے نقاب کا
مطلب ہے ایک نقطے میں پوری کتاب کا

جاتے ہی اس کے میں بھی ہوا سردِ آرزو
میرا شباب عکس تھا دل کے شباب کا

خط سے کچھ اور مصحفِ رخ دل رُبا ہوا
جدول سے حسن اور بڑھا اس کتاب کا

کل منزلیں جو ختم ہوئیں اپنی عمر کی
مضمون صاف ہو گیا، خود انقلاب کا

موجِ نسیمِ آہ نے مجھ کو ڈبو دیا
عالم تھا میرے شیشۂ دل میں حباب کا

جس نے اٹھایا سر وہ غریقِ فنا ہوا
بن بن کے ٹوٹ جاتا ہے کاسہ حباب کا

میری فنا ہی اصل میں معراج ہے مری
میں اشک اوفتادہ ہوں چشمِ حباب کا

بحرِ جہاں میں گرتے ہیں مغرور منہ کے بل
سیدھا نہ ہو سکا کبھی کاسہ حباب کا

مٹ جائیں گے وہ جن کے سروں میں ہے بادِ کبر
موجِ ہوا سبب ہے شکستِ حباب کا

کھلتا ہے ایک گھونٹ میں دروازۂ بہشت
ساغر مرا ہے نقشِ مجسم ثواب کا

ضربِ تبر ہے عجز بھی، حق میں غرور کے
موجوں نے بڑھ کے کاٹ لیا سر حباب کا

میں ہوں عبیرِ عارضِ شمس و قمر قتیلؔ
یعنی غبارِ خاکِ درِ بوترابؓ کا

اُترنے کا نہیں سودا جنونِ فتنہ ساماں کا
سرا ملتا نہیں اس شوخ کی زلفِ پریشاں کا

اک اک ٹکڑا ہے آئینہ جنونِ فتنہ ساماں کا
تماشا فصلِ گُل میں دیکھیے میرے گریباں کا

جنوں میں بھی تصور ہے یہ چشمِ مستِ جاناں کا
صدا قُلقُل کی ہے خندہ مرے چاکِ گریباں کا

تجلّائے حلب، پرتو جمالِ روئے تاباں کا
سوادِ شام، ہلکا عکس گیسوئے پریشاں کا

مبرّا ہیں ہمیشہ اہلِ خاموشی جراحت سے
کہ ملنے پر لبوں کے ٹوٹتا ہے زخم کا ٹانکا

جنوں کی چیرہ دستی، اے معاذ اللہ کیا کہیے
ذرا دیکھے اُلجھنا کوئی دامن سے گریباں کا

دمِ وارفتگی موسیٰؑ جسے حُسنِ ازل سمجھے
وہ اک بُجھتا ہوا شعلہ تھا میرے داغِ ہجراں کا

کرم اُس جنبشِ ابرو کا فرطِ سخت جانی پر
وہ یوں صدقے گیا، پردہ رہ گیا شمشیرِ عریاں کا

ہوا وہ سوزشِ زخمِ جگر کا شور عالم میں
کہ پانی ہوگیا سارا نمک گھُل کر نمکداں کا

زباں چُپ، مہر برلب، جو نہ کردیں سُرمگیں آنکھیں
سکوتِ اللہ اکبر اور وہ بھی شہرِ خموشاں کا

جنوں اور اس پہ وحشت کی یہ ہتھ پھیری، ارے توبہ!
رفو ہے رشتۂ دامن سے چاک اپنے گریباں کا

کبھی اُترا نہ اک قطرہ بھی نیچے حلقِ بسمل سے
کڑا پانی تھا کتنا یار کی شمشیرِ بُرّاں کا

مرے زخموں نے مُنہ کچھ اور بھی پھیلا دیئے قاتل
زباں سے رال ٹپکی، نام سنتے ہی نمکداں کا

کیا ہے قتل مجھ کو جامہ زیبی نے حسینوں کی
گلے پر میرے آخر پھر گیا خنجر گریباں کا

نگوساروں کو پہنچا ہی نہیں سکتا ضرر کوئی
قتیلؔ اُلجھا نہ کانٹوں سے کبھی دامن بیاباں کا

رخِ خجلت دِہِ خورشیدِ محشر جب عیاں ہوگا
تمہارا بام اے مہرو چہارم آسماں ہوگا

بتاؤں کیا دلِ صد پاش فرقت میں کہاں ہوگا
کوئی ٹکڑا یہاں ہوگا، کوئی ٹکڑا وہاں ہوگا

پسِ مُردن ہوا بڑھے جو عشق اس مہر سیما کا — غبار اُٹھ اُٹھ کے تربت سے ہماری آسماں ہوگا
وفورِ وحشتِ خندہ بھی جنوں کا پیش خیمہ ہے — شبابِ فصلِ گل میں دامنِ گل دھجیاں ہوگا
بہت دشوار ہے فرقت میں ٹھہرانے سے دل ٹھہرے — ہمارے حق میں ناصح بھی بلائے ناگہاں ہوگا
عروجِ آہِ رسا کا اے سپہرِ حسن کیا کہیے — دھواں جو دل سے اٹھیگا، وہ اٹھ کر آسماں ہوگا
تمہارا آستاں ہوگا، جسے فردوس کہتے ہیں — جسے کہتے ہیں رضواں وہ تمہارا پاسباں ہوگا
لطافت نکہتِ گل کی اگر پیدا کرے بلبل — تو پھر جس پھول کو تاکے، اسی کا آشیاں ہوگا
اثر بن کر گزر جائے گا دل سے انکے فرقت میں — مرا جو اشک ٹپکیگا وہ بوندے کی سناں ہوگا
بہت مشکل ہے عیشِ وصل میں غم ہجر کا بھولے — جو زخم اچھا بھی ہو جائے تو کچھ اس کا نشاں ہوگا

قتیلؔ، اپنی یہ شہرت ہے جفا کارانِ عالم میں
کسی کی تیغ ہو پہلے مجھی پر امتحاں ہوگا

باغِ ہستی میں بری غم سے ہر آزاد آیا — خار اک دن بھی نہ تا دامنِ شمشاد آیا
یاد میں شعلہ رخوں کی جو کبھی نالہ کیا — شررِ آتشِ دل تا لبِ فریاد آیا
اہلِ حیرت نہ پھنسے دامِ مصیبت میں کبھی — باغِ تصویر میں اک دن بھی نہ صیاد آیا
اثرِ صحبتِ اعلیٰ نہ ہو ادنیٰ پہ کبھی — آدمیت میں کسی روز نہ ہمزاد آیا
تیز لوہا کبھی مردانِ خدا پر نہ ہوا — موم بن کر کفِ داؤدؑ میں فولاد آیا
غیر ممکن ہے کہ سیراب ہو ظالم سے کوئی — کام اپنے نہ دمِ خنجرِ فولاد آیا
واہ اے عشق کہ سن کر مری نظمِ شیریں — قافیہ بن کے غزل میں مری فرہاد آیا

غیب سے ہوتی ہے آرائشِ حسنِ ازلی — شانہ اکدن بھی نہ تا گیسوئے شمشاد آیا

دمِ فریاد کبھی دل نے جو ہمت ہاری — درد اٹھ اٹھ کے برابر پئے امداد آیا

راست بازوں پہ ستم کر نہیں سکتے خونخوار — کوئی خنجر نہ کبھی تا سرِ شمشاد آیا

خود بخود ہوگیا ثابت مرا خون اس پہ قتیل
منھ جو محشر میں چھپائے ہوئے جلاد آیا

داغ جو کھائے گا وہ سعدیٔ دوراں ہوگا — بوستاں گر ہو جگر، قلب گلستاں ہوگا

خوش ہوں غم دوست تو غم اور دو چنداں ہوگا — خون تھوکے گا وہی، زخم جو خنداں ہوگا

عشق ممکن نہیں چھپ جائے چھپانے سے کبھی — رنگ بن کر رخِ عاشق سے نمایاں ہوگا

یوں ہی مر جائیں گے عشاق جو ملتے ہی نگاہ — کوچۂ تیغ نظر قتل کا میداں ہوگا

دیکھ لینا شبِ اندوہ نفس کی رفتار — تیر ہوگا کوئی ان میں، کوئی پیکاں ہوگا

نامۂ شوق کے پرزے جو اڑائے اس نے — اس میں ایدل کوئی مضمون گریباں ہوگا

غم پہ غم کھا، یہی زینہ ہے ترقی کا قتیل
چار داغوں میں دلِ زار گلستاں ہوگا

وہ سرفراز ہوا غم کا جو نشانہ ہوا — چلا ہے سر پہ جب آرا تو شانہ، شانہ ہوا

نہ مہرباں کبھی بے دردِ سر زمانہ ہوا — چنے ہیں تنکے تو حاصل اک آشیانہ ہوا

جو وقتِ فکر تصوّر میں تھا، جمالِ نگار — قلم سے شعر جو نکلا وہ عاشقانہ ہوا

پس فنا بھی اثر ہے یہ جبہہ سائی کا — غبارِ جسم مرا خاکِ آستانہ ہوا

یہ معجزہ ہے توکّل کا بحرِ ہستی میں — گرا جو قطرہ صدف میں، دُرِ یگانہ ہوا
رسا نہیں کوئی تیرِ ستم سبک رو تک — کبھی نہ طائرِ رنگِ حنا نشانہ ہوا
پسِ فنا بھی رہی بیکسی لحد پہ قتیلؔ
غبارِ حسرت و افسوس شامیانہ ہوا

مکیں ہو جاؤ تم جس میں، وہ دل ویراں نہیں ہوتا — مقید جس میں یوسف ہو، وہ گھر زنداں نہیں ہوتا
نہ کھائے داغ جبتک یاد میں اس روئے انور کی — وہ دل خورشید ہو جائے، مہِ تاباں نہیں ہوتا
یہ دل آتا بھی ہے زد پر تو کیا کہیے کب آتا ہے — ترے ترکش میں اے سفّاک جب پیکاں نہیں ہوتا
نہ ہو اے غنچہ لب جبتک تبسّم تیرے ہونٹوں پر — کوئی غنچہ ریاضِ دہر میں خنداں نہیں ہوتا
گریباں چاک ہوتا ہے، ادھر دامن جو سیتا ہوں — رفو جبتک گریباں ہو، اُدھر داماں نہیں ہوتا
نہ ہو جبتک لگن اس مصحفِ روئے کتابی سے — کسی کا پارۂ دل، پارۂ قرآں نہیں ہوتا
یہ میخانہ ہے، میخانہ، کوئی مسجد نہیں زاہد — یہاں پیمانہ ہوتا ہے، یہاں پیماں نہیں ہوتا
نہ ہو پیدا البشر میں حُسنِ خلق آدمی جبتک — ملک ہو جائے ممکن ہے، مگر انساں نہیں ہوتا
قتیلؔ اللہ اکبر یاس کا اپنی وہ عالم ہے — کہ نشتر پر بھی اب زخمِ جگر خنداں نہیں ہوتا

شمشیر کو بھی جھکنا ہی پڑا، جلّاد بھی لوہا مان گیا
سر اڑنے لگے مقتل میں وہ بُت دامن جو کبھی گردان گیا
ہوتا تو کہیں مل ہی جاتا، کیا خاک ملے، دل ہو بھی کہیں
پیکان نظر آ آ کے ترا، سینے کو ہمارے چھان گیا

وہ اس کا تجاہل محشر میں، ہر چند بجا، ہر چند چھپا
قربان میں اپنی آنکھوں کے، ملتے ہی نظر پہچان گیا

بیکار نہالِ اُلفت ہے، جڑ ہی جو نہیں پھل پھول کہاں
پہلو سے ہمارے دل نہ گیا، امید گئی، ارمان گیا

ملتا جو نہیں سوفار اُن کا، مشکوک نگاہیں اٹھتی ہیں
مرنے کو مرا کمبخت جگرؔ، دل کو بھی یہ ظالم سان گیا

مارے ہوئے تابِ عارض کے، پھر ہوش میں کیا آتے ہیں کہیں
تا عمر دلِ مرحوم اپنا، حیران رہا، حیران گیا

زلفوں کی شکایت ہی بیجا، جو کام قتیلے اس کا تھا کیا
دل سے تو ذرا پوچھے یہ کوئی، کیوں چھیڑنے یہ نادان گیا

جگرؔ دل سے نہیں ملتا، جگر سے دل نہیں ملتا
کسی سے عشق میں کوئی دمِ مشکل نہیں ملتا

غریقِ بحرِ الفت کا اُبھرنا غیر ممکن ہے
جسے خود عشق لے ڈوبے، اسے ساحل نہیں ملتا

گلے ملنے کو یوں احباب تو آ آ کے ملتے ہیں
خوشی کیا عید کی جب خنجرِ قاتل نہیں ملتا

مٹے چل چل کے آنکھوں سے مسلسل اشک محرومی
یہ ہے وہ کارواں جس کو سرِ منزل نہیں ملتا

اور پھر ان کشتوں پہ مژگاں کا اثر کیا ہوتا
آپ کے تیر میں سرخاب کا پر کیا ہوتا

الفتِ خال میں ٹپکا، تو ستارا ٹھہرا
اشک آنکھوں سے مری گر کے گہر کیا ہوتا

نفسِ گرم سے پژمردہ بجا غنچۂ دل
کھل کے یہ صرصرِ غم میں، گلِ تر کیا ہوتا

دل گیا، دین گیا، جاں گئی، ایمان گیا
اے تو! عشق میں اب اور ضرر کیا ہوتا

درم داغ بجا کام نہ آئے شبِ غم
بات تھی جان کی فرقت میں تو زر کیا ہوتا

شکر صد شکر ہوا خنجرِ ابرو پہ نثار
ورنہ پھر اس کے سوا دوش پہ سر کیا ہوتا

جمع کرنا رہا تا عمر درم داغوں کے
اس سے اچھا کوئی سامانِ سفر کیا ہوتا

یاد میں زلف کی اچھا ہوا دونوں نہ رہے
دل ہی پہلو میں نہ ٹھہرا تو جگر کیا ہوتا

سرد مہری بھی تو پھولوں کی ہے آخر کوئی چیز
شیونِ بلبلِ بیکس میں اثر کیا ہوتا

یا خدا تا بہ ابد دانۂ گندم سرسبز
ہائے کیا ہو گیا، افسوس، بشر کیا ہوتا

جنبشِ ابروئے قاتل نے بڑا کام کیا
ورنہ دل کشتۂ شمشیرِ دو سر کیا ہوتا

خیر سمجھو کہ ہوا قصۂ دل شب کو تمام
ورنہ تم جانتے ہو، وقتِ سحر کیا ہوتا

الفتِ زلف میں تا عمر رہے خانہ بدوش
اور وحشت میں جو ہوتا بھی تو گھر کیا ہوتا

دل کے دو حرف ہیں وہ تو کبھی مل ہی نہ سکے
ان کا دل، دل سے مرے شیر و شکر کیا ہوتا

آنکھ جب اٹھ نہ سکی وصل میں اس بت کی قتیل
پار سینے سے وہ پیکانِ نظر کیا ہوتا

نہ ہوتا نہ خمِ ابرو، نہ مجروحِ نظر ہوتا
نہ آیا دل کو دل ہوتا، نہ آیا سر کو سر ہوتا

تڑپنا، حسرتِ پرواز میں زیر و زبر ہونا
قفس میں اور آفت ہے خیالِ بال و پر ہونا

انہیں گھر بیٹھے ہی مقصود اپنا ہاتھ آتا ہے
نگاہوں کی طرح آیا، جنہیں گرمِ سفر ہونا

مقدر کوچۂ دل کی تھی فوجِ غم سے پامالی
مصیبت ہے زمیں کے حق میں اس کا رہگزر ہونا

جو تکمیل سراپائے محبت ہو نگاہوں میں
تو اے نازِ نظر اس شوخ کی بڑھ کر کمر ہونا

شبابِ حسن تک آ پہنچی بڑھ کر ان کی کم عمری
سحر کو بھی ہے آنا رفتہ رفتہ دوپہر ہونا

کھنچا آتا ہے سائے کی طرح ساتھ اسکے دشمن بھی
وبالِ جاں ہوا نالوں کا اپنے پُر اثر ہونا

سنا ہے اب ہوا ہیں، وہ پری اندام اڑتا ہے
غنیمت ٹھہرا ہمارے حق میں خاکِ رہگزر ہونا

خدا محفوظ رکھے مفلسی نے سب بھرم کھویا
قیامت ہے عنادل کے لئے پھولوں میں زر ہونا

وہ خود اپنی ہی شاخِ آشیاں میں آگ لگ اٹھی
مصیبت بن گیا آہوں کا اپنی پُر شرر ہونا

قتیلؔ ان کی گلی میں بیٹھ کر اٹھنا، ارے توبہ
وہیں مرنا، وہیں پس کر غبارِ رہگزر ہونا

شعاعِ حسن، غازۂ چہرۂ صبحِ مسرت کا
سوادِ زلف، سرمایہ بلائے شامِ وحشت کا

لقب شورِ قیامت، نالۂ شبہائے فرقت کا
جسے کہتے ہیں صبحِ وصل، دن ہے وہ قیامت کا

نہ جانے جیتے جی تھا کس سپہرِ حسن کا سودا
فلک بنتا ہے مرنے پر غبار اٹھ اٹھ کے تربت کا

جگر ناوک کو، سر خنجر کو، دل زلفِ مسلسل کو
دیارِ عشق میں سکّہ ہے، قاتل کی عدالت کا

صدف کو بحر میں، گو سر گلوں کو زر گلستاں میں
تماشا فضل کا تیرے، کرشمہ تیری قدرت کا

ترے کوچے میں آ کر بات اب تحقیق کو پہنچی
زمانے سے سنا کرتے تھے ورنہ نام جنت کا

کفِ قاتل میں آ کر ہو گئی، شمشیر بھی خونی — اثر دنیا میں ہو کر ہی رہا کرتا تھا صحبت کا

کہاں وہ قطرۂ نیساں، کہاں درجِ صدفِ بار آب — کہیں بھی ہو پہنچ جاتا ہے دانہ منہ میں قسمت کا

بہار آتے ہی زر بھر بھر کے دامن میں لٹاتے ہیں — گلوں سے درس ملتا ہے گلستاں میں سخاوت کا

ہوا جاتا ہے بن بن کر جو سیدھا کام بھی اُلٹا — کہیں قط تو نہیں کچھ پڑ گیا تھا کلکِ قسمت کا

مری نظموں پہ ہے بنیاد ایوانِ معانی کی — اک اک مصرعہ مرے ہر شعر کا شہتیر ہے چھت کا

پھلی پھولی اسی اک ذات سے بنگال میں اُردو — عوض کاغذ کے لوحِ دل پہ ہوگا نام وحشت کا

یہ عالمگیر غم ہے، کیا تعجب ہے جو اے ہمدم
قتیلِ غمزدہ کی بزم میں ماتم ہے وحشت کا

غم تھا، نہ عشق زلف میں دل کو ملال تھا — لیکن یہ تھا ضرور کہ شیشے میں بال تھا

حل ہو سکا نہ خط سے بھی رازِ کتابِ عشق — کل داستاں میں عقدۂ سربستہ خال تھا

ثابت رہا نہ موجِ حوادث میں کوئی سر — دامن میں ہر حباب کے سنگِ ملال تھا

دیکھا نہ مڑ کے بھی ترے طالب نے سوئے طور — وہ تھا، ترا خیال تھا، تیرا جمال تھا

خالِ سیہ پہ ان کے جو کل بحث چھڑ گئی — کیا کیا نہ اس میں نکتہ، دمِ قیل و قال تھا

دارا کی داستاں کہ سکندر کا ماجرا — انجام ہر کمال کا آخر زوال تھا

مر لے ذرا قتیلِ حزیں، خاکِ دانا پور
پچھتاؤ گے کہ ہاں کوئی اہلِ کمال تھا

نشاں ملتا نہیں داغوں کی کثرت سے کہیں تن کا — دوشالہ جس طرح اوڑھے کوئی سلوا کے کترن کا

زمانہ، ملکہ نیرنگ زمانہ، نقش جتون کا
فلک پہ برق، عکس اس شوخ کے بیباکپن کا

مئے سرجوش ساقی، خون ہے توبہ کی گردن کا
ہے رشکِ آفتاب حشر اک داغ دامن کا

اثر دل پر، ارے توبہ، نگاہِ سامری فن کا
ٹھہرنا پھر ذرا دشوار ہے، شیشہ اگر چنکا

رخ گلگوں کی اُلفت میں جنوں کس حد کو جا پہنچا
عنادل کی طرح اُڑتا ہے ٹکڑا اپنے دامن کا

کثافت اور ہی شئے ہے، لطافت اور ہی شئے ہے
بہت مشکل ہے مل کر ایک ہونا آب و روغن کا

جنوں کی پردہ پوشی کا خیال آیا جو وحشت میں
گریباں کے رفو میں کام آیا تار دامن کا

خیالِ عارضِ روشن حصارِ آہنی نکلا
نہ اک تنکا بھی پایا برق نے میرے نشیمن کا

تری آنکھوں پہ مرنے میں بھی ہے شانِ سلیمانی
غبار آ آکے لیجاتی ہیں پریاں میرے مدفن کا

شعاعِ چہرۂ روشن تصور میں جو رہتی ہے
جوابِ کہکشاں ایک ایک تنکا ہے نشیمن کا

فنا ہو یا بقا، یہ ہیں قتیلِ الفت کی دو راہیں
جو دیکھا غور سے، ہے فصل دونوں میں گھر آنگن کا

پیدا کیا ہے زر نے گلوں میں نکھار کیا
سُونا لٹا رہی ہے، چمن میں بہار کیا

ہم خاک ہو کے موجِ ہوا میں بکھر گئے
تابوت ہی نہ جس کا ہو اس کا مزار کیا

اڑتی نہیں ہوا میں جو دامن کی دھجیاں
رستے میں لُٹ گئی، کہیں فصلِ بہار کیا

لینا تو بڑھ کے نرگسِ بیمار کی خبر
شبنم چمن میں شام سے ہے اشکبار کیا

باقی تھا داغ وہ بھی شبِ ہجر کھا چکا
اب اور چاہتا ہے دلِ بے قرار کیا

دامن ہے پارہ پارہ گریباں ہے تار تار
اب آئے بھی تو آ کے کرے گی بہار کیا

داغِ جگر کی سیر ذرا تم بھی دیکھ لو — اب منہ دکھائے گی مجھے فصلِ بہار کیا
دل کا نصیب، شرم سے اٹھی نہیں نگاہ — کمزور ہو جو تیر کرے گا شکار کیا
جس پر شبِ فراق کے صدمے گزر چکے — اس کی نگاہ میں غمِ روزِ شمار کیا
دل ہو جو پاش پاش، تو آہوں کا لطف ہے — غنچہ نہ کھل سکے تو نسیمِ بہار کیا

پھولوں کے ساتھ آ گئی بلبل بھی اے قتیل
نقارہ پیٹتی ہے چمن میں بہار کیا

لبِ بام اک بتِ خورشید پیکر بے نقاب آیا — قیامت ہے! سوا نیزے پہ آخر آفتاب آیا
نظر پڑتے ہی آئینے پر اس بت کو حجاب آیا — شبابِ فتنہ پرور کے ساتھ اپنے نقاب آیا
لگے مرنے حسینوں پر، یہ دل بھی اک بلا نکلا — ہماری موت آئی، آپ کہتے ہیں شباب آیا
چمک سے میکدے میں رنگ ہے صبحِ مسرت کا — شراب آئی کہ شیشے میں اتر کر آفتاب آیا
جو دیکھا حادثاں سے گزر کر بحرِ ہستی کو — یہ عالم ہی خود اپنی آنکھ میں شکلِ حباب آیا
نظر پڑتے ہی قاصد پہ یہ شادی مرگ اے توبہ — یہ میری موت آئی، یا مرے خط کا جواب آیا
شبِ اندوہ کے جلگے نہ اٹھے صبحِ محشر تک — اجل کے بھیس میں تقدیر کے ماروں کو خواب آیا
ادھر خورشیدِ محشر، داغِ سودا اس طرف چمکا — قیامت میں جنوں لیکر برابر کا جواب آیا

قتیل اللہ اکبر، دیکھتے ہی وہ مجھے بولے
غلام بوترابؓ آیا، غلام بوترابؓ آیا

کوچۂ وحشت میں دم نکلا ہے مجھ ناشاد کا — ہو کفن کو میرے دامن نکہتِ برباد کا

خوف ہی اہلِ تحیّر کو نہیں بیداد کا | بلبلِ تصویر کو کھٹکا نہیں صیّاد کا
رہنِ منت ہو نہیں سکتے کبھی اہلِ تعب | ہو نہ محتاجِ رفو دامن کبھی فریاد کا
اہلِ گردش سے جفا کاروں کو ملتی ہے مدد | سان پر بڑھتا ہے جوہر خنجرِ فولاد کا
رنگ میں ہر شعر ہمرنگِ گلِ جنت ہوا | نظم ہو کر رنگ لایا قافیہ شداد کا
بعدِ مردن سنگدل کی قدر ہوتی ہے سوا | ہو گیا فولاد سے کشتہ گراں فولاد کا

پاک ہے اُلجھن سے ہر آزاد عالم میں قتیلؔ
کبھی شانے نے نہ دیکھا گیسوئے شمشاد کا

اُٹھتے ہی اس گلی سے معدوم تھا فنا تھا | میرا وجود یارب یا کوئی نقشِ پا تھا
مجھ کو مٹا دیا کیوں اے چرخِ جور پرور | تربت عدو کی تھا میں یا کوئی نقشِ پا تھا
رشکِ فلک زمیں تھی جس راہ سے وہ گزرے | ذرّے تھے ماہ و انجم، خورشید نقشِ پا تھا
قدموں سے ان کے پس کر بھی کچھ سنا نہ دیکھا | میں چشم نقشِ پا تھا، میں گوش نقشِ پا تھا
اللہ ری ضو فشانی، وقتِ خرام جاناں | خورشید وار روشن ایک ایک نقشِ پا تھا
گر کر نظر سے انکی، اٹھنا محال نکلا | افتادگی میں اپنی انداز نقشِ پا تھا

بیٹھا اگر تو بیٹھا، اُٹھا تو مٹ کے اُٹھا
گویا قتیلؔ عاجز بھی کوئی نقشِ پا تھا

بیدرد کو بھی درد کے قابل بنا دیا | جس گُل کو تم نے دیکھ لیا دل بنا دیا
کٹتی نہیں ہے راہِ محبت فراق میں | اِک اِک قدم کو ضعف نے منزل بنا دیا

چشمِ سیاہ یار ہے یا تیغ آب دار
جس جس پہ جا پڑی اسے بسمل بنا دیا

گلہائے باغ دہر ہیں تجھ پر فریفتہ
پھولوں کو رخ نے تیرے غنادل بنا دیا

ہم اے قتیل اک تو یونہیں سست طبع تھے
اس شاعری نے اور بھی کاہل بنا دیا

رخِ یار وقتِ سحر دیکھ لینا
سرِ شام زلف آنکھ بھر دیکھ لینا

جو چاہو عدم کی شبیہہ مجسم
دہن اپنا، اپنی کمر دیکھ لینا

حقیقت نما ہے، جمال مجازی
اسی مبتدا میں خبر دیکھ لینا

جو ہو شوق نظارۂ رقص بسمل
کسی کی طرف اک نظر دیکھ لینا

مرے شیشۂ دل میں اک بال بھی ہے
کہاں ہے خیالِ کمر دیکھ لینا

جو الجھے کسی سے تری زلف سرکش
تو چھٹنا ہے کس طرح گھر دیکھ لینا

قتیل ان کا رخ مظہر نور حق ہے
نہ ہو شام جو وہ سحر دیکھ لینا

چمن میں چہرۂ انور جو بے نقاب ہوا
کھلا جو پھول کوئی، رشک آفتاب ہوا

وہ دود آہ سحر دم، وہ شعلۂ فریاد
جو آسمان بنا وہ، یہ آفتاب ہوا

نسیم روئے بتاں گلبدن کا کیا کہنا
ٹپک گیا جو عرق جسم سے گلاب ہوا

خیال زلف پہ موقوف ہے بہار حیات
اسیر دام محبت، مرا شباب ہوا

پس فنا بھی اثر عشق رخ کا تھا یہ قتیل
چراغ قبر کا ہر پھول آفتاب ہوا

مر گیا ہوں دیکھ کر رُوئے صبیح اک حور کا
ہمدمو! غازہ ہو چہرے پر مرے کافور کا

دورِ راحت کا ہوا کرتا ہے ہر آفت کے بعد
نیش جو کھاتا ہے پاتا ہے عسل زنبور کا

بے سبب پاتے ہیں پاکانِ ازل نشو و نما
خانۂ دل میں قدم آتا نہیں مزدور کا

دی صریرِ کلک نے میری انا الحق کی صدا
باندھنا چاہا جو میں نے قافیہ منصور کا

یادِ اہلِ ظرف کی ہوتی ہے بعدِ مرگ بھی
آج تک ہے دور میں کاسہ سرِ فغفور کا

سربلندی کی تباہی میں ہے نفعِ خاص و عام
ہو گیا کحل الجواہر جل کے پتھر طور کا

ہے بجا گر نزع میں ٹھہرے لبوں پر دمِ قتیلؔ
راہ میں اکثر ٹھہرتا ہے مسافر دور کا

ستم ڈھانا، جفا کرنا، عدوئے جسم و جاں ہونا
ترے کوچے میں آتا ہے، زمیں کو آسماں ہونا

اڑائے گا یقینی کچھ نہ کچھ بے پر کی مقتل میں
دہانِ زخم میں پیکانِ قاتل کا زباں ہونا

قیامت گر نہ کہیے تو اُسے پھر اور کیا کہیے
وہ لب تک آکے حرفِ آرزو کا داستاں ہونا

حریمِ دل مرا چشمِ جہاں میں ہے صنم خانہ
قیامت ہو گیا اُس بُت کا اک شب میہماں ہونا

یہ جھگڑا جسم و سر کا شکر ہے طے ہو گیا آخر
بڑا کام آ گیا خنجر کا ان کے درمیاں ہونا

مقدر دیکھیے کمبخت اسی پر گر پڑی بجلی
پسند آیا چمن میں جس شجر پر آشیاں ہونا

قتیلؔ اہلِ شرافت سے فلک بھی اب ہے برگشتہ
عبث ہے اس زمانے میں گرامی خانداں ہونا

جوشِ وحشت نے کیا حال یہ عریانوں کا
قافیہ اور بھی ہے تنگ گریبانوں کا

صاحبِ درد سے ہے قدر جفا کاروں کی
مول زخموں نے بڑھایا ہے نمکدانوں کا

سرخرو غیب سے ہوتا ہے اک اک صاحبِ درد
دہنِ زخم نہ محتاج ہوا پانوں کا

سنگدل آپ ہی مٹ جاتے ہیں رفتہ رفتہ
ٹوٹ جانا تو یہی کہتا ہے دندانوں کا

کرم اہلِ جفا کر نہیں سکتا سیراب
قطرۂ آب ہے بے فائدہ پیکانوں کا

جاگزیں خانۂ دل میں ہے ترا خالِ سیاہ
ہم تو سنتے تھے کہ کعبہ ہے مسلمانوں کا

صاحبِ مغز، تکلف سے مبرّا ہیں قتیل
بیتِ شاعر میں گزر ہی نہیں دربانوں کا

فلک، یا کوئی قطرہ ہے محیطِ دلربائی کا
زمیں، یا کوئی ذرّہ ہے غبارِ آشنائی کا

بہے ہیں اشک گلگوں، داغ جب کھایا جدائی کا
ٹپکتا ہے مرے ہر پھول سے رنگ آشنائی کا

تلاطم ہو گیا فرہاد و مجنوں کے فسانے سے
سمندر ہے اک اک قطرہ محیطِ آشنائی کا

سوارِ کشتیِ الفت عدم کے گھاٹ اُترتا ہے
لبِ شمشیر ساحل ہے، محیطِ آشنائی کا

جھلک ہو اے مصور عشق کی بھی شانِ حیرت میں
مری تصویر میں ہو رنگ بزمِ آشنائی کا

نمک چھڑکا جو اس کانِ ملاحت کے تصور نے
مزا آنے لگا زخموں کو سوزِ آشنائی کا

قتیل ان کی گلی میں نقشِ پا بن کر ہوں اُفتادہ
بتاتا ہوں نشاں اک کاروانِ آشنائی کا

چہرۂ غزنوی میں ہے رنگ رخِ ایاز کا
عشق بھی کوئی سحر ہے، حسنِ کرشمہ ساز کا

جھک کے وہیں قدم لیا ساقیِ پاکباز کا
وقت شراب خانے میں ہو جو گیا نماز کا

کھل نہ سکا ملک پہ بھی سرِ حقیقتِ بشر — پا نہ سکا سراغ بھی کوئی ہمارے راز کا
اصل شفق ہے جانِ جاں شوخیِ خونِ کشتگاں — رنگ فلک پہ چڑھ گیا تیرے شہیدِ ناز کا
ہجرِ بتاں میں بڑھ گئی اور بھی میری آبرو — داغِ فراق صدر پہ تمغہ ہے امتیاز کا
اٹھ نہ سکا یہ سر کبھی پیرِ مغاں کے پاؤں سے — اتنا تھا میکدے میں بھی پاس مجھے نماز کا

دل کی خبر جگر کو بھی ہو نہ قتیلؔ عشق میں
قفلِ سکوت سے رہے بند خزانہ راز کا

یوں وصفِ تیغِ ابروئے قاتل بیاں ہوا — خنجر دہانِ زخم میں آ کر زباں ہوا
کثرتِ غم و الم کی ہے زینہ عروج کا — داغوں سے صحنِ قلبِ حزیں گلستاں ہوا
بعدِ فنا بھی تھا یہ بلند اپنا مرتبہ — تربت سے جو غبار اٹھا آسماں ہوا
جاتے ہی ان کے رہ نہ سکے عقل و صبر و ہوش — یوسف کے ساتھ ساتھ رواں کارواں ہوا

مجھ سا بھی کشتنی نہ کوئی ہوگا اے قتیلؔ
جب تیغ اس نے لی تو مرا امتحاں ہوا

زنخداں سے ہے وصل اک خال اس زہرہ شمائل کا — بلندی پر ستارہ اندروں ہے چاہِ بابل کا
کوئی سیراب ہو دریا دلوں سے غیر ممکن ہے — ہے قربِ بحر پر بھی لب ہمیشہ خشک ساحل کا
مثالِ رنگِ عاشق اڑ گیا ہر حرف نامے سے — جو کوئی لفظ بھی لکھا کبھی بیتابیِ دل کا
ٹپک جاتی ہے رال اب تک زبانِ تیغِ قاتل سے — خدا معلوم میٹھا کس قدر تھا خونِ بسمل کا
قتیلؔ اس درجہ بعدِ مرگ بھی ہے تشنگی غالب — کفن میں اپنے اک پیوند ہے دامانِ ساحل کا

عشق نے حسن کو جب موردِ بیداد کیا ‏ ‏ سوگ شیریں نے سرِ تربتِ فرہاد کیا
اُنس اسیری سے ہے بے بال و پری کے باعث ‏ ‏ بے بسی نے مجھے منت کش صیّاد کیا
سیرِ گلشن کو جو آیا کبھی وہ رشکِ بہار ‏ ‏ داغ لالے کو دیا، سرو کو آزاد کیا
رخِ محبوب ہوا پردہ کشِ حسنِ ازل ‏ ‏ نقش نے کھنچ کے عیاں جلوۂ بہزاد کیا
دی جو قسّامِ حقیقی نے مجھے دولتِ عشق ‏ ‏ غم کو بھی ساتھ مرے صورتِ ہمزاد کیا
طائرِ رنگِ حنا ہوں چمنِ ہستی میں ‏ ‏ بخت واژوں نے اسیرِ کفِ صیّاد کیا

کوہِ غم کاٹ دیا تیشۂ ہمت سے قتیل
مرحلہ عشق کا طے صورتِ فرہاد کیا

مر گئے دیکھا جو ابرو اس بتِ بے پیر کا ‏ ‏ چاہیے پانی ہمارے غسل کو شمشیر کا
ہر جواں کو استعانت پیر کی درکار ہے ‏ ‏ بے کماں ممکن نہیں پرواز کرنا تیر کا
نظم جب مضموں ہوا، رنگِ طلائی کا ترے ‏ ‏ قافیے میں آ کے جوہر کُھل گیا اکسیر کا
سر قلم کر کے بڑھایا شعلۂ سودائے عشق ‏ ‏ کام قاتل نے لیا شمشیر سے گلگیر کا
خاکسارانِ جہاں سرچشمۂ اقبال ہیں ‏ ‏ پارۂ مس کو طلا کرنا ہے کام اکسیر کا
کیا پہنچتی کشتیٔ دل ساحلِ مقصود تک ‏ ‏ پڑ گیا تھا پھیر، بحرِ غم میں تقدیر کا

پھولتے پھلتے نہ دیکھا باغِ ہستی میں قتیل
غنچۂ دل میرا غنچہ ہو گیا تصویر کا

کیف میں سرشار عکسِ نرگسِ مستانہ تھا ‏ ‏ آئینہ آتے ہی ان کے ہاتھ تک پیمانہ تھا

وصل کا پیغام تھا یا موت کا پروانہ تھا — دفعتہً لبریز میری عمر کا پیمانہ تھا

موجِ مئے "اللہ اکبر" بن گئی زہرابِ تیغ — موت کا پیالہ مجھے فرقت کی شب پیمانہ تھا

ایک چلّو پر بھی اس محفل میں موقوف اپنی زیست — ہاتھ میں ساقی کے میری عمر کا پیمانہ تھا

مست و بیخود ہو گئی محفل کی محفل اے قتیلؔ
آنکھ تھی ساقی کی یا چلتا ہوا پیمانہ تھا

پیامِ مدعا ہو جا، نشانِ جستجو ہو جا — جبینِ شوق پر اے داغ، داغِ آرزو ہو جا

شبِ غم موجِ کلفت، اے شرابِ مشکبو ہو جا — عدو کے ہاتھ تک جاتے ہی مینا میں لہو ہو جا

تنک ظرفی ہے عشقِ شعلہ رو میں ہجر کا شکوہ — دہن میں اے زباں تو لال، وقتِ گفتگو ہو جا

ندامت پاک کر دیتی ہے انساں کو گناہوں سے — ارے اے آبِ خجلت مجھ کو تو آبِ وضو ہو جا

کمالِ حسن سے ممتاز ہو عزلت گزینی میں — گہر آسا سراپا آپ اپنی آبرو ہو جا

سہارا غیر کا زیبا نہیں وحدت پرستی میں — لبوں تک آتے ہی اے آہِ سوزاں ذکرِ ہو ہو جا

تلاشِ یار میں خضرِ طریقت کا اشارہ ہے
قتیلؔ اس کی تمنّا میں سراپا جستجو ہو جا

وصل میں رخ ان کا شمعِ خانہ تھا — ہر چراغِ خانہ، اک پروانہ تھا

مرتے مرتے بھی رہا سودائے مئے — کاسۂ سر یا کوئی پیمانہ تھا

تیغ کا پھل یا محبت کا ثمر — پا لیا تقدیر کا، جو دانہ تھا

چھوٹ کر جو دستِ قاتل سے گرا — وہ ہماری عمر کا پیمانہ تھا

جو بگڑتا ہے وہ بنتا ہے قتیلؔ
اب جو کعبہ ہے، کبھی بتخانہ تھا

آتے ہی یادِ زلفِ سیہ، دل نہیں رہا
لیلیٰ نظر میں رہ گئی، محمل نہیں رہا

گریے میں یاد آئی جو اس بحرِ حسن کی
آنسو بہے کچھ ایسے کہ ساحل نہیں رہا

بھولی کچھ ایسی راہ کہ مقتل میں آ گئے
افسوس ہے کہ آج ہی قاتل نہیں رہا

ابرو کی داستاں بھی ہوئی سرد اندنوں
اس تیغ کا بھی اب کوئی بسمل نہیں رہا

فیضِ رخِ طلائی سے دنیا غنی ہوئی
اُن کے گداؤں میں کوئی سائل نہیں رہا

اشکوں نے میرے بڑھ کے ڈبویا جہان کو
کشتی کہاں ٹھہرتی کہ ساحل نہیں رہا

فرقت میں دل کے ساتھ جگر بھی گیا قتیلؔ
ہمراہ ایک بھی دمِ مشکل نہیں رہا

خوشا وہ دن کہ خمِ گیسوئے پُر خم آشیانہ تھا
کبھی مرغِ دل خلد آشیاں کا بھی زمانہ تھا

شجر تو تھے بہت گلشن میں لیکن واہ ری قسمت
گری بجلی اُسی پر جس پہ میرا آشیانہ تھا

بتلا اے برق، آخر کیوں جلایا کیا اسے سمجھی
یہ تو تھے چند تنکے نام جس کا آشیانہ تھا

ٹھہرتا تو سنِ عمرِ رواں کیا تا درِ مقصد
رگِ جاں کا تڑپنا ہر قدم اک تازیانہ تھا

قتیلؔ اعمالِ بد نے میرے کھوئی آبرو دل کی
سیاہی سے یہ گوہر پاک جب تک تھا یگانہ تھا

خالِ مشکیں، زینتِ روئے مجلّیٰ ہو گیا
والیٔ ملکِ حبش، قیصر حلب کا ہو گیا

رفتہ رفتہ دل پر اس کافر کا قبضہ ہو گیا ‏ ‏ ‏ دیکھتے ہی دیکھتے کعبہ کلیسا ہو گیا

چہرۂ رنگیں سے اس گُل نے جو سرکا دی نقاب ‏ ‏ ‏ باغ میں جو پھول تھا، چشمِ تماشا ہو گیا

یادِ وحشت میں جو آیا، ہو گیا چلنا محال ‏ ‏ ‏ موئے مژگاں دشت میں خارِ کفِ پا ہو گیا

بلبل و گُل کی حکایت سے ہے مملو اے قتیلؔ

پتّہ پتّہ باغ کا یوسف زلیخا ہو گیا

گلفشاں وحشت میں اک اک داغِ ہجراں ہو گیا ‏ ‏ ‏ رشکِ جنت کوچۂ چاکِ گریباں ہو گیا

زخمیوں کو یاد جب آیا ترا حسنِ ملیح ‏ ‏ ‏ کاسۂ مرہم بھی اے قاتل نمکداں ہو گیا

عشق لب میں چوٹ جب سنگِ حوادث کی پڑی ‏ ‏ ‏ شیشۂ دل ٹوٹ کر لعلِ بدخشاں ہو گیا

مصحفِ رخ سے جو اس سروِ چمن کے دی مثال ‏ ‏ ‏ باغ میں ہر برگِ گُل تفسیرِ قرآں ہو گیا

کس قدر ایذا طلب اپنا جنوں بھی ہے قتیلؔ

تنکا تنکا دشت میں خارِ مغیلاں ہو گیا

ہوا ہے آج آ کر رشکِ مسیحا میہماں اپنا ‏ ‏ ‏ چہارم آسماں پر بھی ہے بھاری اب مکاں اپنا

جلا دے ہڈیوں کو آتشِ فرقت جو شمع آسا ‏ ‏ ‏ چھڑک دے اور روغن کھل کر مغزِ استخواں اپنا

زباں جل جل گئی، دل بہ گیا، آنسو نکل آئے ‏ ‏ ‏ اتارا شمعِ محفل نے جو اندازِ بیاں اپنا

حکومت لامکاں پر، بادشاہت بزمِ امکاں پر ‏ ‏ ‏ یہاں بھی ہم، وہاں بھی ہم، زمیں اپنی زماں اپنا

قتیلؔ اللہ بخشے ایک ڈھارس اس سے رہتی تھی

عجب تحفہ اٹھا تھا اپنا دل خاکِ آشیاں اپنا

ب

طے مرحلۂ عشق میں بھی راہِ وفا کب — قسمت کا مری پھیر نہ رستے میں پڑا کب
بن بن کے نہ اُس در پہ وجود اپنا مٹا کب — اٹھّا نہ بگڑ کر کوئی نقشِ کفِ پا کب
رکھتے نہیں اندازِ بقا تیرِ جفا کب — جو زخم ہے ناسور نہ بن بن کے رِسا کب
آیا مرے پہلو میں وہ بے مہر و وفا کب — آیا تو نہ آکر صفتِ درد اُٹھا کب
پھل پائیں سرِ باغ جہاں سوختہ دل کیا — گلزارِ چراغاں میں ثمر کوئی ملا کب
ساقی غمِ کونین سے فارغ ہیں ترے مست — اٹھتا ہی کوئی دستِ سبو بہرِ دعا کب
کیا نشو و نما پائیں گے اربابِ تجرّد — غنچوں میں کوئی غنچۂ تصویر کھلا کب
خالِ رخِ قاتل کا تصور بھی ستم ہے — لوہے کا چنا ہم کو چبانا نہ پڑا کب
سرمایۂ اعزاز ہے عریانیٔ بسمل — محتاجِ کفن ہیں پسِ مردن شہدا کب
یادِ لبِ گلرنگ میں تھمنے کے نہیں اشک — منہ غنچے کا شبنم نے گہر سے نہ بھرا کب

شہرا ہے بجا یار کی جادو نظری کا
سرمہ نہ قتیل ان کی نگاہوں میں رہا کب

یادِ رخ سے ہجر میں ہر داغ ٹھہرا آفتاب — سینکڑوں رکھتی ہے میرے دل کی دنیا آفتاب
تیری افشاں کی بھی اے قاتل ہے کیا کیا اصطلاح — کہکشاں، ذرّہ، قمر، انجم، ستارا، آفتاب
بام پر آنا تھا ان کا حشر برپا ہو گیا — اک قیامت ہے، سوا نیزے پہ اُترا آفتاب
نوک کی لینے لگی وحشت میں ان کے رخ کی یاد — چُبھ گیا دل میں برنگِ خارِ صحرا آفتاب

پرتوِ عارض جگر میں، قلب میں عکسِ جبیں ماہتاب اک آرزو ٹھہرا، تمنا آفتاب
قسمتِ ساحل چمک اٹھی، جو تم آئے اِدھر عکس روئے صاف سے ہے زیرِ دریا آفتاب
عشق نے بخشا زمیں حسن کو بھی کیا فروغ آسماں اُنکی گلی، نقشِ کفِ پا آفتاب
کالی کالی بوتلیں اور لال لال اس میں شراب اُڑ کے ہمرنگ پری شیشے میں اُترا آفتاب

خالِ عارض تھا جو آنکھوں میں دم فکر اے قتیل
نظم روشن کا ہے میری نقطہ نقطہ آفتاب

زلفیں بکھر کے بن گئیں عنوانِ اضطراب دستِ جنوں کو مل گیا دامانِ اضطراب
بیٹھے ہیں اپنی زلفِ پریشاں سنوار کے برسے نہ آسمان سے سامانِ اضطراب
خم، پیچ، موج، بل، شکن، تاب، انتشار اک انکی زلف اور اتنے ہیں سامانِ اضطراب
ارماں تڑپ کے خاک اڑاتے ہیں ہجر میں صحنِ دلِ حزیں ہے بیابانِ اضطراب
دل کی تڑپ نے درد کو بڑھ کر بلا لیا ہے سخت اضطراب سے مہمانِ اضطراب
دل کی ہے وہ تڑپ کہ ہے ماحول بیقرار سینہ ہمارا بن گیا ایوانِ اضطراب
میری تڑپ کو دیکھ کے دنیا تڑپ گئی ایسا نہ ہوگا زخمی پیکانِ اضطراب
دل پر جگر ہے دور، کہ جگر پر تڑپ میں دل اے حسن تو ہی لا کوئی میزانِ اضطراب
وہ کیا، عیاں جہاں پہ ہیں بیتابیاں مری کافر ہے وہ جو لائے نہ ایمانِ اضطراب
اسکی تڑپ سے کانپ رہا ہے اک ایک عضو دل ہے سرِ جسیم پہ سلطانِ اضطراب
گزری ہے عمر در پہ تڑپتے ہی اے قتیل دیکھا نہ ہوگا یار نے انسانِ اضطراب

پ

طولِ عمرِ خضر ہے، زلفِ بتِ پُرفن کا ناپ
رشتۂ تیغِ دودم، میری رگِ گردن کا ناپ

دامنِ گل میں گریباں کا ہے پیمانہ نہاں
جیبِ غنچہ میں ہے اُس گلرو کی پیراہن کا ناپ

قطع ہو کر رہ گئی ہیں انگلیاں خیاط کی
دامنِ شمشیر ہے قاتل ترے دامن کا ناپ

یوں ہوا ہے مغرب و مشرق میں باہم اتحاد
جسمِ ہندوستان کا کپڑوں میں ہے لندن کا ناپ

ہنس دیا میرے جنونِ فتنہ ساماں نے قتیل
پھاڑ کر میں نے گریباں جب لیا دامن کا ناپ

ت

ایک دل حق آشنا، اور بت دلربا بہت
واہ ری شانِ حسن و عشق، بندہ تو اک خدا بہت

واسطہ جذبِ عشق کا حسن کی بارگاہ کو
راہ پر آکے کھوئے ہم دیکھ کے نقشِ پا بہت

خلد، جناں، بہشت، ارم اور بھی ہیں ایسی منزلیں
ملکِ عدم میں راہرو، اپنے کو ہیں سرا بہت

رہ گئی لاج عشق کی، تیر پھر ان کے ہو گیا
خونِ دل و جگر ہوئے، مل کے ذرا ذرا بہت

ایک ہی سجدہ کیوں نہ ہو، غسل کر آبِ تیغ سے
طاعتِ عشق ہے غرض، رکعتیں کم ہوں یا بہت

دل کو کہیں اماں نہیں، چاہے گلی کسی کی ہو
ایک حسینؓ بے نوا، قتل کو کربلا بہت

آہ فلک شگاف سے بہہ گیا دل کا آبلہ
شمع خموش ہو گئی، تند جو بھی ہوا بہت

تیغ جہاں ہو سر بسر خم، کاٹ ہو اور بھی فزوں
اہلِ جفا اگر جھکیں اور بڑھے جفا بہت

ملتے ہی آنکھ دل گیا، سہل بھی ابتدائے عشق
جان گئی جو دل ملا، سخت بھی انتہا بہت

رندوں نے آج شیخ کو بیچ سڑک پہ دھر دیا
روزِ حرم میں ہجوِ مے کرتے تھے یہ بیجا بہت

خم کو جو سجدہ کر سکے، شیخ وہی ہے اے قتیل
ورنہ ملیں گے دہر میں تم سے تو پارسا بہت

دن ہے جو رخ، تو زلفِ بت بنے نقاب رات
اک لاجواب دن ہے تو اک لاجواب رات

زلفِ سیہ میں یوں ہے بیاضِ رخِ صبیح
دامن میں اپنے جیسے لئے ہو کتاب رات

یوں زلفِ مشک فام نمک پاشِ زخم ہے
فرقت نصیب کے لئے جیسے عذاب رات

کیا کیا لقب ہیں آپکی زلفِ دراز کے
زنجیر، دام، موج، سلاسل، سحاب، رات

اُٹھتے ہی ان کے بزم ہی تاریک تھی قتیل
جاتے ہی آفتاب کے آئی شتاب رات

ٹ

دل کے سو ٹکڑے ہوں اللہ ری تقریر میں کاٹ
مثلِ خنجر ہے زبانِ بتِ بے پیر میں کاٹ

تیغِ سفاک کا اس بت کو دکھا تیر میں کاٹ
رات فرقت کی فقط نالۂ شبگیر میں کاٹ

شعر پڑھ پڑھ کے مرا کٹ گئے دشمن دل میں
جس نے دیکھا نہ ہو، دیکھے مری تحریر میں کاٹ

چہرۂ بخت پہ گلگونۂ تدبیر لگا
عمر اپنی نہ فقط شکوۂ تقدیر میں کاٹ

کشتۂ تیغِ نظر، لب کے اشارے سے جیا
یعنی جادو کا ہے تاثیر تری تقریر میں کاٹ

کٹ گئی دیکھتے ہی ہم تو شبیہِ ابرو
کم نہیں تیغ سے ہے تیغ کی تصویر میں کاٹ

سرخروئی جو ہو کونین کی مطلوب قتیل
روز و شب اپنے غمِ حضرتِ شبیرؑ میں کاٹ

ث

تیری فرقت میں نہ ہو گریاں تو چشم تر عبث
ہدیۂ تیغ دو پیکر جو نہ ہو، وہ سر عبث

نذر بن کر اس گل تو تک اگر پہنچے نہیں
مٹھیاں غنچوں کی لاحاصل، گلوں کا زر عبث

سننے والوں کو دہان گور دیتا ہے صدا
اس خرابے میں کرے تعمیر انساں گھر عبث

بادشاہوں تک نہ پہنچے کوئی بے تبع وزیر
جستجوئے حق ہے بے تقلید پیغمبر عبث

عشق رخ میں پھول کی بھی مار ہو جس پر گراں
ایسے دیوانے پہ قاتل پھینکنا پتھر عبث

تیرے مستوں کی نظر میں بادۂ تسنیم ہیچ
تیری آنکھوں کی قسم جام مئے کوثر عبث

میری رگ رگ میں دم شیر خدا ہے اے قتیل
ہیچ ہے میرے مقابل ببر، شیر نر عبث

ج

دل سے جاتا ہی نہیں زلف گرہ گیر کا رنج
میری تقدیر میں ہے شومیٔ تقدیر کا رنج

میرے قاتل نے لگائے ہیں لبوں پہ ٹانکے
دل سے نکلے گا نہ اب نالۂ شبگیر کا رنج

بخت کوتہ سہی، تدبیر کو کوتاہ نہ کر
عمر بھر ورنہ رہے گا تجھے تقدیر کا رنج

زندگی میری ہوئی موت کی تکلیف پہ ختم
خاتم خواب ہوا، خواب کی تعبیر کا رنج

یاد میں زلف مسلسل کی سوا مشکل ہے
قبلہ میں طرفہ اسیروں کو ہے زنجیر کا رنج

بخت واژوں نے شکنجے سے نکلنے نہ دیا
صورت دام ہے مجھ کو خط تقدیر کا رنج

نہ ہوا رام کسی طرح وہ بت مجھ سے قتیل
کھینچتا ہوں علم قوت تسخیر کا رنج

چ

عجب بلا ہے تری چشمِ فتنہ جو کا پیچ
اسی سے مات ہے گیسوئے مشکبو کا پیچ

نہ نکلی ڈوب کے شمشیر میرے قاتل کی
ہوا ہے بھول بھلیاں رگِ گلو کا پیچ

نکل سکا نہ کوئی دخترِ رز کے پنجے سے
بلا ہے جام و خم و ساغر و سبو کا پیچ

ہوا جو ہونا تھا، دامن تو دھولے اے قاتل
نکل پڑے نہ کہیں حشر میں لہو کا پیچ

تلاشِ یار سے فارغ نہ ہو سکا دم بھر
لپیٹ کے دام ہوا راہِ جستجو کا پیچ

فسانہ زلف کا چھیڑا، جو بزمِ قاتل میں
سمجھ سکا نہ کوئی میری گفتگو کا پیچ

کیے تو داؤں ہزاروں قتیلؔ پر اس نے
مگر چلا نہ کبھی ایک بھی عدو کا پیچ

ح

کس قدر دلچسپ نکلی گردشِ ایامِ روح
رخ تو صبحِ روح ٹھہرا، زلفِ مشکیں شامِ روح

عشق نے کیا کیا لقب بخشا نہ اہلِ حسن کو
جانِ عالم، حور پیکر، دلربا، آرامِ روح

مرتے دم دنیا نگاہوں میں تھی اک موجِ سراب
کھل گیا ہے ریت پر بنیادِ قصرِ خامِ روح

آنکھ ادھر جھپکی، ادھر تھا پیشِ پا ملکِ عدم
بلکہ ہستی و فنا ہے، عرصۂ یک گامِ روح

جو نہ اس کے در پہ نکلے، جو نہ ہو اس در پہ خاک
روح وہ بدنامِ جسم، اور جسم وہ بدنامِ روح

رندِ اخلاق مجسّم، محتسب ننگِ وجود
کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتے مجھے اقسامِ روح

وسط کو پہنچی جوانی، فکرِ عقبیٰ کر قتیلؔ
ضرب ہے دل کی، نفس کی تار پر پیغامِ روح

تابِ رخ پر ہے گمان موجۂ تنویرِ صبح
اے خوشا بختِ سحر واے مرحبا تقدیرِ صبح

عشق گیسو میں خیالِ رخ نے مارا دفعتہً
آخرِ شب چل گئی سر پر مرے شمشیرِ صبح

آنکھ میں زلفوں کا پرتو، دل میں عکسِ روئے یار
اِک طرف تصویرِ شب ہے، اک طرف تصویرِ صبح

ہجر کی شب ہم نے دیکھا ہے غشی میں روئے یار
بارک اللہ ہے نہاں اس خواب میں تعبیرِ صبح

خوگرِ غم ہوں، مجھے ختمِ شبِ فرقت ہے موت
ہر شعاعِ نورِ صبح، آنکھوں میں ہے شمشیرِ صبح

آفتابِ شعلۂ فریاد ہو جائے طلوع
اے دل اتنی بھی تو کر فرقت کی شب تدبیرِ صبح

وصفِ روئے پرضیائے یار میں لکھی ہے بیت
اے قتیل اس طرح میں نے نظم کی تعمیرِ صبح

خ

جوشِ شباب میں ہے مرا گلعذار سرخ
امسال سروِ قد ہے عروسِ بہار سرخ

مجھ کو پلا کے زہر، کیا قتل تیغ سے
میرا مزار سبز ہو، لوحِ مزار سرخ

لبریز خوں، قفس میں ہیں سینے کے آبلے
فصلِ بہار لائی ہے ابکے یہ ہار سرخ

اب چھپ چکا ہماری شہادت کا ماجرا
سارے مزار میں ہے ہمارا مزار سرخ

ڈوبی ہو پھر نہ آج کوئی کشتیِ حیات
پھر ہے قتیل خنجرِ قاتل کی دھار سرخ

د

اثر فراق کا جاتا نہیں وصال کے بعد
نشان زخم کا رہتا ہے اندمال کے بعد

چلے بھی آؤ، یہ وعدہ وعید خوب نہیں
کہ اہلِ قال کا رتبہ ہے اہلِ حال کے بعد

بڑا کمال ہے صاحب جو بے طلب دے کوئی
ثواب داد و دہش میں ہے کم، سوال کے بعد

پیامِ موت ہے، آپس میں پھوٹ پڑ جانا
بچے نہ جسم، عناصر کے اختلال کے بعد

مہِ صیام گیا، عید ہے، ڈھلے رندو
اب آئیگی یہ مصیبت پھر ایک سال کے بعد

اسی کا نام ہے تقدیر، واہ ری قسمت
وہ آئے بھی سرِ بالیں، تو انتقال کے بعد

میانِ ما و شما، دخلِ غیر خوب نہیں
چراغ تیز نہ ہو جائے اشتعال کے بعد

نہ غم، نہ درد نہ حسرت ہے نقدِ دل جو نہیں
کوئی بھی ساتھ کسی کے نہیں زوال کے بعد

کمر تو یار کی معدوم ہے، دہن موہوم
قتیل اب اور لکھوں کیا اس احتمال کے بعد

ڈ

گلزارِ کائنات میں ہے بے ثمر گھمنڈ
اس حسنِ بے ثبات پہ اے گُل نہ کر گھمنڈ

جھکتے ہیں سر بلند جہاں مثلِ آسماں
ہے اشکِ اوفتادۂ اہلِ نظر گھمنڈ

رفتارِ تیغِ موجِ حوادث سے ہوشیار
مثلِ حباب قطع کرا دے، نہ سر گھمنڈ

اپنے تو فیصلے پہ رہے اپنا اختیار
اتنا بھی جب نہیں تو کرے کیا بشر گھمنڈ

جھکتے ہیں اور شاخِ ثمر دار کی طرح
کرتے نہیں جہاں میں اہلِ ہنر گھمنڈ

دکھلا دے آج تو بھی ذرا دجلہ باریاں
ابرِ سیہ کو ہے بہت اے چشمِ تر گھمنڈ

داغوں کے نیل چاکِ جگر میں ہیں اے قتیل
اب کیا کرے گا مجھ سے گلِ نیلوفر گھمنڈ

ق

عکس لینے کو ترا لائی ہے دنیا کاغذ
اک ورق جیب فلک میں بھی ہے سادا کاغذ

وصف گیسو میں جو یاد آیا طلائی چہرہ
لکھتے لکھتے ہوا کالے سے سنہرا کاغذ

قصۂ گیسوئے شب فام سے قرطاس سیاہ
رخ روشن کے فسانے سے ہے اُجلا کاغذ

دست انور میں کسی طرح جو پہنچا خط شوق
بن گیا رشک تاب ید بیضا کاغذ

وصل کی بات ابھی نامہ و پیغام میں ہے
بیچ میں حسن و محبت کے ہے پردا کاغذ

جان آجاتی ہے آتا ہے جو نامے کا جواب
تیرے بیمار کے حق میں ہے مسیحا کاغذ

مر گیا فرط خوشی میں جو ملا نامۂ دوست
ملک الموت مرے حق میں یہ تھا یا کاغذ

ان کی تصویر میں اُف رے وہ طلائی چہرا
رنگ کچھ بھی ہو نظر آتا ہے پیلا کاغذ

چشم مخمور کا نقشہ ہے جواب خط میں
لیکے آیا ہے مرے واسطے مینا کاغذ

قطرۂ اشک کا مذکور ارے تیری پناہ
جیسے دامن میں لئے ہو کوئی دریا کاغذ

نامۂ دوست کوئی پڑھ کے بھی سمجھا نہ قتیل
بن گیا آپ نقاب رخ معنی کاغذ

جو نہ ہو قتل کو میرے پئے محضر کاغذ
کھینچ کے ہو دامن شمشیر دو پیکر کاغذ

کٹ گئی منہ میں زباں قصۂ ابرو پڑھ کر
بن گیا کاٹ کے شمشیر دو پیکر کاغذ

میرے دیواں میں ہیں اوصاف ترے دنداں کے
صدف آسا ہے چھپائے ہوئے گوہر کاغذ

چھا گیا رنگ نظر شوق میں یوں خط پہ ترے
جیسے چنگل میں دبائے ہو کبوتر کاغذ

نامۂ شوق مرا ہاتھ تک اس کے پہنچا — زور اقبال میں ہے بخت سکندر کاغذ

ایک شمہ جو لکھوں گردش تقدیر کا حال — کو بکو شہر میں کھاتا پھرے چکر کاغذ

جو کھینچی دیدۂ مخمور کی تصویر اس پر — بن گیا کیفیت حسن میں ساغر کاغذ

نامۂ دوست تھا، خود اڑ کے وہاں تک پہنچا — دامن شوق میں رکھتا ہے نہاں پر کاغذ

شقۂ عفو ہے، پروانۂ بخشش ہے قتیل
قصر محبوب سے لایا ہے پیمبر کاغذ

ر

اہل زر ہوتے ہیں شاداں غیر کا غم دیکھ کر — پھول ہنستے ہیں چمن میں اشک شبنم دیکھ کر

ہائے ہم بھی دو جہاں کی سیر کرتے تھے کبھی — شیشۂ دل یاد آیا ساغر جم دیکھ کر

کیا لکھوں کیسا دل درد آشنا غم دوست ہے — آنکھ بھر آتی ہے دشمن کا بھی ماتم دیکھ کر

آنچ سہتے سہتے یہ پختہ مزاجی آ گئی — پھوٹ کر روتی ہے چشم زخم مرہم دیکھ کر

آنکھ میں پھرنے لگا میرا دل بریاں قتیل
ان کے دسترخوان پر مرغ مسلم دیکھ کر

کوئی چھینٹا جو اڑ کر جا پڑا ساقی کے دامن پر — چھری بن بن کے موج مے پھری شیشے کی گردن پر

پس مردن بھی چشم دل ہے انکے روئے روشن پر — چراغ دشت ایمن جل رہا ہے میرے مدفن پر

مہ و خورشید افتادہ کرن ہیں کفش راکب کی — ہلال عید کا عالم ہے نعل پائے توسن پر

رہائی قید سے یارب جو ملنے بھی نہیں ممکن — تو اچھا ہے کہ بجلی ہی گرے شاخ نشیمن پر

یہ اس سے تو مرا دنیا سے اٹھ جانا ہی اچھا تھا
قیامت سے نہیں کم سوگ ان کا مرگ دشمن پر

مری جمعیت دل یاد میں ہے شعلہ رویوں کی
رہا کرتا ہے سایہ بجلیوں کا میرے خرمن پر

رہی یہ بیدلی بعد فنا بھی اے مہِ خوبی
اداسی آسماں بن بن کے چھائی میرے مدفن پر

خدا والوں کا لوہا سنگدل بھی مان جاتے ہیں
جناب حضرت داؤدؑ کا سکہ ہے آہن پر

نقاب انکی حریم خاص میں بھی اٹھ چکی اب تو
گماں ہے ان کو چشم شوق کا خود اپنے روزن پر

یہ ابر اٹھتے ہی موج مے تھی یا شمشیر نے قاتل
جہاں دیکھو وہیں ہے خون توبہ خم کی گردن پر

کھلی مٹھی کہ زر کو پر لگے، گلزار عالم میں
لیا پھولوں نے آخر مفلسی کا داغ دامن پر

میں گل کھاتا ہوں دل پر زلف برہم کے تصور میں
بہار اب خود برستی ہے برنگ ابر گلشن پر

اچانک سانحہ "تاریک شب" اس پہ گلی انکی
مرا مرنا نہ مرنا، انگلیاں اٹھتی ہیں دشمن پر

دوانگی عشق کی یوسف زلیخا پڑھ کر یہ سمجھے
جو ہے چاک انکے دامن پر وہ ہے داغ انکے دامن پر

دلِ مضطر قتیلؔ ان گیسوؤں میں منتشر تھا ہی
لگا دی اک گرہ خالِ سینہ نے اور اس الجھن پر

حسرت کوئی باقی ہے نہ ارماں تہہِ خنجر
یارب نہ کٹے یوں کوئی انساں تہہِ خنجر

حاصل ترے کشتوں کو حیاتِ ابدی ہے
قاتل ہے نہاں چشمۂ حیواں تہہِ خنجر

آئی جو گلے تک مرے شمشیر دو پیکر
یاد آ گیا قاتل کا گریباں تہہِ خنجر

ابرو کے تصور میں بسر ہوتی ہے اوقات
کٹتی ہے مری عمر گریزاں تہہِ خنجر

بیٹھا جو قتیلؔ انکی مژہ پر بہ دمِ قتل
بستر کو ملے خار مغیلاں تہہِ خنجر

خیالِ ابرو کا طرّہ ہے، جنونِ فتنہ ساماں پر
مقدر کھینچ لایا جادۂ تیغ گریباں پر

جو ہے منظور فطرت کو چھپانا رازِ وحشت کا
تکلّم قفل بن کر ہے لبِ چاکِ گریباں پر

کجی خنجر کی ہے یا تیغ کا خم، کچھ نہیں کھلتا
اُترتے ہیں گلے بسمل کے محرابِ گریباں پر

بہار آتے ہی وحشت نے یہ اچھے پر نکالے ہیں
ہوئی پیوند دھجّی اُڑ کے دامن کی گریباں پر

ہوا کس نامراد آرزو کا خون وحشت میں
حنا بن کر لہو ہے ناخنِ تیغِ گریباں پر

تڑپ تصویرِ سودا بن کے دادِ عشق دیتی ہے
جنوں رہ رہ کے ہنستا ہے مرے چاکِ گریباں پر

لہو نے وحشیوں کے فصلِ گل میں کی یہ گلکاری
جو ہیں کچھ پھول دامن پر تو کچھ بوٹے گریباں پر

سمٹ کر بن گئی نقشِ وفا وحشت میں اے قاتل
گری ہے جب لہو کی بوند آنکھوں سے گریباں پر

تصوّر بھی خدنگ بے خطا ہے اے قتیلؔ اس کا
لہو وحشی نے تھوکا مرکزِ کافِ گریباں پر

تقاضا وقت کا ہے آمدِ فصلِ بہاراں پر
رکھو توبہ کو پیمانے میں بھر کر طاقِ نسیاں پر

گراں ضرب زباں ہے، ضربتِ شمشیرِ برّاں پر
ہے ممکن ہی نہیں مرہم کا رکھنا زخمِ پنہاں پر

بہار آئی، بندھی ہے پھر کمر سیرِ بیاباں پر
چڑھائی آستیں کانٹوں نے پھر وحشی کے داماں پر

رفو کے کام کا بھی خارِ صحرا نے نہیں رکھّا
یہ ہے گلکاریاں اے وحشتِ دل چاکِ داماں پر

سرشکِ غم اُبل کر آنکھ سے مژگاں پہ آ ٹھہرا
خدا کی شان قابو پا لیا ہے خس نے طوفاں پر

پسِ مرگ اس قدر پلّہ گراں تھا اپنی وحشت کا
ہماری لاش بھاری ہو گئی خاکِ بیاباں پر

لقائے یار پر ہو منکشف لذّت جو فرقت کی
سرورِ وصل صدقہ ہو غمِ ایّامِ ہجراں پر

ادھر جنت اُدھر فردوس، تو ہی رائے دے ناصح
مجھے کرنا ہے کچھ صدقہ، زمین کوئے جاناں پر

قتیلؔ آساں نہیں حال نہفتہ آشکارا ہو
نظر پڑ ہی نہیں سکتی، کسی کی زخم پنہاں پر

زلف و رخسار میں دنیائے نظر پیدا کر
عشق کی شام، محبت کی سحر پیدا کر

لامکاں تک شبِ اندوہ گزر پیدا کر
آہ کہتی ہے فلک میں کوئی در پیدا کر

نہ سہی، آہ سحر میں نہ ہو تاثیر کوئی
نالۂ نیم شبی میں تو اثر پیدا کر

ایک جا بیٹھ کے طے عمر کی منزل کر دے
گھر ہی میں مثل نفس، شانِ سفر پیدا کر

دیکھ خود اپنی ہی صورت میں تماشائے عجیب
عشق کی شان بہ اندازِ دگر پیدا کر

حسن تدبیر سے کر رام بتوں کو اپنا
زورِ اخلاق سے پتھر میں بھی گھر پیدا کر

بزم امکاں میں ہو اسباب و علل سے آزاد
لے اُڑے ہوش کے مانند وہ پر پیدا کر

عالم حسن تناسب کا انہیں بھی ہے لحاظ
اپنی تصویر سے کہتے ہیں کمر پیدا کر

کس کی فرقت میں تو اس درجہ ہے بیتاب قتیلؔ
خود کو پہچان، ارے یار، نظر پیدا کر

آنکھیں رخ خوش رنگ پہ ہیں، سر تہہ خنجر
رکھتا ہوں نگاہوں میں گل تر تہہ خنجر

ابرو کا تصور ہے، کبھی یاد مژہ کی
اکثر ہدف تیر ہوں، اکثر تہہ خنجر

اللہ رے ان دیدۂ میگوں پہ وہ ابرو
جیسے ہوں چھلکتے ہوئے ساغر تہہ خنجر

سر کٹتے ہی فردوس ہی جاگیر شہیداں
جنت تہہ شمشیر ہے، کوثر تہہ خنجر

اوسان خطا، ہاتھ میں جلّاد کے رعشہ / اللہ رے مقتول کے تیور تہہِ خنجر

وصفِ خمِ ابرو پہ قلم ہے سرِ عاشق / کیا کھینچ کے لایا ہے مقدر تہہِ خنجر

بڑھی ہے جراحت، گُلِ شاداب اک اک زخم / پہنے ترے مقتول نے زیور تہہِ خنجر

آب اُڑ گئی، پھل ٹوٹ گیا، شل ہوا شانہ / جانباز کی گردن ہے کہ پتھّر تہہِ خنجر

جس روز سے رکھا ہے قتیلؔ اپنا تخلّص
اکثر تہہِ شمشیر ہوں، اکثر تہہِ خنجر

پیشِ نظر ہے قتل کا ساماں ترے بغیر / خنجر سے کم نہیں ہے گریباں ترے بغیر

پریوں کی طرح ہوش کے ہمراہ نیند اُڑی / میرا مکاں ہے رشکِ پرستاں ترے بغیر

سرچشمۂ بقا ہے، تو سرمایۂ حیات / ممکن نہیں بچے کوئی انساں ترے بغیر

داغوں پہ ہے اثر وہ رخِ شعلہ بار کا / اب رات رات بھر ہے چراغاں ترے بغیر

مومن ہے جو ہے روئے کتابی کا کلمہ گو / ورنہ نہیں ہے کوئی مسلماں ترے بغیر

بالے وہ آ گئے ترے ابرو خیال میں / کٹتی نہ ورنہ یوں شبِ ہجراں ترے بغیر

موجِ نسیم، تیغ، تو پیکاں، شعاعِ مہر / دنیا ہے مجھ کو قتل کا میداں ترے بغیر

نکلے نہ کھو کے ہم جو پھری چشمِ ملتفت / راہِ وفا ہے بھول بھلیاں ترے بغیر

اپنے دل و جگر پہ اب اپنا ہی وار ہے / اک اک نفس ہے سینے میں پیکاں ترے بغیر

آ رہے چل اے قتیلؔ ہے وارنٹ تیرے نام
مضطر ہے ایک فتنۂ[۱] دوراں ترے بغیر

۱؎ بابو بشن دیال فتنہ وکیل

آنکھوں سے انکی کیوں نہ بنے جان زار پر — دو تیر ایک ساتھ چلے ہیں شکار پر

بھولا نہیں میں قصۂ مجنوں و کوہکن — دل دوں کسی حسین کو کس اعتبار پر

شاید قریب آگیا موسم بہار کا — بلبل قفس میں تولتی ہے بار بار پر

پھڑکے اگر قفس میں تو بلبل کا کیا قصور — فصلِ چمن میں ہوتے ہیں بے اختیار پر

میں اے قتیلؔ جب سے ہوں اس گل کا مدح خواں
باغِ سخن ہے میرا ہمیشہ بہار پر

جھک گئی رفعت بھی خود شانِ حقیقت دیکھ کر — سر بسجدہ ہیں فرشتے، تیری صورت دیکھ کر

قتل میرا بھی تو ہے آخر تمہیں پر منحصر — یہ بھی ہے اک کام، کرلو نیک ساعت دیکھ کر

ہو نگاہوں میں شبیہہ زندگی کا ہر دو رخ — رنج کی بھی ہو جگہ آنکھوں میں راحت دیکھ کر

واہ ان آنکھوں کے بجا میرے دل بیہوش پر — حوصلہ دشمن کا بڑھ جاتا ہے غفلت دیکھ کر

ہے بجا کھنچتے ہیں گر بلبل زرِ گل کی طرف — مفلسوں کا دل تڑپ جاتا ہے دولت دیکھ کر

اشک افتادہ کی صورت گر پڑا آنکھوں سے حشر — جا پڑا میں جو ادھر ایّام فرقت دیکھ کر

حشر میں دل خود ہوا اک محشرستان عذاب — یار کی رفتار یاد آئی قیامت دیکھ کر

تہنیت ناکامیوں کو، نامرادی کو نوید — راستہ کترا گئے وہ میری تربت دیکھ کر

اے ہر اک کی آس، اے آنکھوں کا نور، اے دل کا چین — جی رہی ہے ساری دنیا تیری صورت دیکھ کر

قطرے قطرے میں نظر آتا ہے دریا کا نشاں — یاد کرتا ہوں تجھے ایک ایک صورت دیکھ کر

میں نے مانا حق بجانب ہیں تری باتیں قتیلؔ — دل جو قابو میں نہیں، قاتل کی صورت دیکھ کر

ضیائے آفتابِ فن ہوں میں شیوا بیاں ہو کر / زمینِ شعر پر چھایا ہوا ہوں آسماں ہو کر

فقط اک پاؤں پر شب بھر کھڑی خاموش رہ باکی / کیا کیا شمع نے محفل میں سرتاسر زباں ہو کر

شبِ فرقت سکون و صبر و طاقت سب ہوئے رخصت / اکیلا رہ گیا دل یوسفِ بے کارواں ہو کر

فنا ہو کر حباب اک بحرِ بے پایاں نظر آیا / جو طالب تھا وہی مطلوب نکلا بے نشاں ہو کر

مرا ہونا نہ ہونا ایک ہی ہے راہِ الفت میں / کہیں اس کارواں میں ہوں صدائے کارواں ہو کر

محبت میں دلِ مرحوم منزل تک پہنچ جاتا / مگر زلفوں نے ڈالا بلائے ناگہاں ہو کر

نہیں رنجِ سفر سے اب تو ہلنے کی سکت باقی / سمٹ کر غم سے اُترا میں ایسا ناتواں ہو کر

اٹھایا ناز نے پردہ جو اس کی بے نیازی کا / حریمِ دل میں آ بیٹھا مکینِ لامکاں ہو کر

جوانی میں اکڑ کر تیر کی صورت جو اڑتے ہیں
ضعیفی میں قتیلؔ آخر وہ جھکتے ہیں کماں ہو کر

ضیائے رخ سے کوئی آفتاب پیدا کر / وفورِ تابِ جبیں سے نقاب پیدا کر

وہ داغ کھا کے رہے دل پہ آبلے کی طرح / کبھی جو مٹ نہ سکے وہ حباب پیدا کر

سرورِ بادۂ عرفاں ہو کیف چشمِ طلب / کشید سے ہو بری وہ شراب پیدا کر

وہ آہ کھینچ کہ کھنچ جائے دل ستمگر کا / دیارِ عشق میں اک انقلاب پیدا کر

برنگِ ابر فضا میں ہو دودِ آہِ سحر / فلک کی طرح نیا اک سراب پیدا کر

خدا کے سامنے رونا دلیلِ رحمت ہے / اس اشک سے کرم بے حساب پیدا کر

بہارِ عہدِ جوانی ہے جوشِ داغِ وفا / شکستِ غنچۂ دل سے شباب پیدا کر

وہ آہ کھینچ کہ مستی میں خود فضا جھومے — نفس کے تار میں شانِ رباب پیدا کر

ورق ورق دلِ صد پاش کا ہو انکی شبیہ — یہ سو ورق کی منقش کتاب پیدا کر

ہوائے آہ میں بل کھائے ان کی زلف دراز — فضائے حسن میں اک پیچ و تاب پیدا کر

ہو یاد چہرۂ روشن میں دل پہ کثرتِ داغ — اس اک جہان میں سو آفتاب پیدا کر

ہو رقص جام سے روشن سپہر مے خانہ — افق سے خم کے کوئی آفتاب پیدا کر

قتیل حشر میں مطلوب ہے نجات اگر
جبیں پہ داغ شہ بوترابؓ پیدا کر

یاد ابرو کی رہی قتل کا عنواں ہو کر — درد چمکا شبِ غم خنجرِ براں ہو کر

داغِ غم، داغِ وفا، داغِ جنوں، داغِ فراق — جلوہ گر عشق ہے دل میں چمنستاں ہو کر

دیکھے جس کو وہی تکتا ہے صورت میری — آئینہ ہوں میں تری بزم میں حیراں ہو کر

درد والوں کی مسرت میں بھی ایذا ہے نہاں — خوں تھوکا دہنِ زخم نے خنداں ہو کر

نیم پیوست ہیں تیر، اف ری نزاکت قاتل — زخم حیرت میں ہیں انگشت بدنداں ہو کر

چین ممکن نہیں دنیا میں سبک روحوں کو — نکہتِ باغ نکلتی ہے پریشاں ہو کر

ہجر میں نوک کی لیتی ہے جو مژگاں انکی — چبھتے ہیں موئے بدن خارِ مغیلاں ہو کر

خلش اکثر سبب ترکِ وطن ہوتا ہے — پھول گلشن میں بکھرتے نہیں خنداں ہو کر

غیر حق نفس تصور بھی بری شے ہے قتیل
بت کو دیتے ہو جگہ دل میں مسلماں ہو کر

گاہ ابرو سے لگا، گاہ نظر سے تلوار
لطف تو جب ہے کہ تلوار پہ برسے تلوار

چار چاند اور لگا دیتی ہے ظالم کو کجی
کاٹ بڑھتا ہے جو خم ہوتی ہے سر سے تلوار

دل بچارا ہے کہ طلب میں بھی ہے محو ابرو
مرد میداں ہو تو لاتا ہے سفر سے تلوار

قدر ظالم کی فزوں ہوتی ہے مظلوموں سے
کہ گراں ہوتی ہے قیمت میں سپر سے تلوار

کیا عجب آج تمنا مری بر آئے قتیل
میرے قاتل نے لگائی ہے کمر سے تلوار

ڑ

نظر یار سے یا ابروئے خمدار سے چھیڑ
دیکھ اے دل کہ بری ہوتی ہے تلوار سے چھیڑ

انکی آنکھوں سے لڑی آنکھ تو ہنس کر بولے
کیسے انسان ہو تم کرتے ہو بیمار سے چھیڑ

انکے ابرو جو کھچے آہ بھی دل سے نکلی
ورنہ اب تک نہ سنا تیر کی تلوار سے چھیڑ

نوک مژگاں سے لگا دوٹ تو جگر کی دیکھو
دیدنی ہے کہ ہدف کرتا ہے سوفار سے چھیڑ

اللہ اللہ ہے یاد سر مژگاں دل میں
آبلہ کرنے لگا نوک سر خار سے چھیڑ

انکے کوچے میں زمیں پاؤں پکڑتی ہے مرا
جادۂ راہ بھی کرنے لگا رفتار سے چھیڑ

گہہ تغافل کا گلہ، گاہ ستم کا شکوہ
اے قتیل اچھی ہے اس یار طرحدار سے چھیڑ

ز

کوئی ہے شمس، کوئی ہے قمر غریب نوازؒ
مری طرف بھی ہو کاش اک نظر غریب نوازؒ

تمہاری یاد میں نقشہ بدل گیا اِن کا — نہ دل ہے دل، نہ جگر ہے جگر غریبؒ نواز
کہیں نظامؒ، کہیں ہو فریدؒ و صابرؒ و قطبؒ — ہزار شکل میں ہو جلوہ گر غریبؒ نواز
تمہارے نام کا سکّہ دلوں پہ بیٹھا ہے — سریرِ چشت کے ہو تاجور غریبؒ نواز
تمہیں ہو دل میں، تمہیں چشمِ تر میں ہو شاہا — تمہارے قبضے میں ہے بحر و بر غریبؒ نواز
تمہارے در پہ جو ہو نذرِ خاک ہوتا ہے — ابھی سے بس کی ہوں گردِ نظر غریب نواز

تمہیں کو لاج قتیلِ حزیں کی بھی ہے شہا
تمہارے در پہ ہے اس کا بھی سر غریبؒ نواز

اے ماہِ کرم، اے مہرِ عطا، سلطان الہند غریبؒ نواز
یہ قتیل تمہارا، تمہارا گدا، سلطان الہند غریبؒ نواز
تم نورِ نگاہِ مصطفویؐ، تم عکسِ جمالِ مرتضویؓ
تم جانِ شہیدؓ کرب و بلا، سلطان الہند غریبؒ نواز
ہاتھوں میں تمہارا دامن ہے، نعلین ہیں سر پہ آنکھوں پر
اے نیرِ چشت، اے جانِ وفا، سلطان الہند غریبؒ نواز
وہ رات ہے مجھ کو یاد شہا، جب تم نے کہا تو میرا ہے
اور ساتھ مرے تھیں محمودا، سلطان الہند غریبؒ نواز
اب پانچ مہینے گذریں گے، کس حال میں ہوں، کیا تم سے کہوں
اے صاحبِ سرِ شہود و خفا، سلطان الہند غریبؒ نواز

چشتی و نظامی کہتے ہیں ارباب کرم، اللہ رے شرف

کچھ پاس شہا اس نسبت کا، سلطان الہند غریب نوازؓ

فریاد قتیلِ خستہ جگر پہ ہاتھ اٹھا دو یا خواجہؓ

بیمار تمہارا پائے شفا، سلطان الہند غریب نوازؓ

س

آئی دنیا نہ کبھی عاشقِ ناشاد کے پاس
ایک تیشے کے سوا کچھ نہ تھا فرہاد کے پاس

رشتۂ الفتِ گل، گردنِ بلبل میں پڑا
لائی تقدیر اُسے کھینچتی صیاد کے پاس

گیسوؤں کا ترے سودا وہ ہوا عالمگیر
اب تو زنجیر بھی باقی نہیں حداد کے پاس

ساری نعمت ترے انعام پہ موقوف ہوئی
یوں تو کہنے کے لئے خلد تھا شداد کے پاس

اثرِ جذبِ محبت کی کرامت ہی دیکھو
کھنچ کے شیریں گئی خود تربتِ فرہاد کے پاس

زیب و زینت سے ہیں آزاد حسینانِ ازل
کوئی شانہ بھی نہیں گیسوئے شمشاد کے پاس

ساتھ دیوانے کے دیوانی ہے ساری دنیا
تیرے سودائی کو سب لے گئے فصاد کے پاس

تم نے کیا آنکھ چرائی کہ زمانہ بدلا
اب اثر تک نہیں آتا مری فریاد کے پاس

کچھ نہ کچھ ہو گئی اصلاح طبیعت میں قتیل

جب گیا میں لحدِ حضرت استاد کے پاس

ش

وہ جو کہتے ہیں غمِ عشق اُٹھائے خاموش
چُپ ہے فریاد، فغاں گنگ ہے، نالے خاموش

یوں ہے چھایا ہوا ساقی اثرِ چشمِ کحیل
کہ سرِ بزم چلا کرتے ہیں پیالے خاموش

سرمگیں آنکھ سے مژگاں کا ہوا ناطقہ بند
دم بخود ہیں یہ رسالے کے رسالے خاموش

دل کا فریاد بہ لب ہجر میں ہونا ہی بجا
رنج پر رنج کہاں تک کوئی ٹالے خاموش

ادبِ عشق سے آئی بھی نہ آوازِ شکست
ٹوٹنے میں بھی رہے قلب کے چھالے خاموش

نقدِ اسرار پہ قابو ہو جو حاصل ہو سکوت
کہ دہن ہونے پہ بھی رہتے ہیں تالے خاموش

سرمگیں آنکھ کا قائل کے تصور تو نہیں
کیا سبب ہے جو قتیلؔ آج ہیں نالے خاموش

ص

کر رہا ہے جوشِ مستی میں اِدھر دیوانہ رقص
صحنِ میخانہ میں کرتا ہے اُدھر پیمانہ رقص

دور کرتے کرتے ہم ساقی کے قدموں پر گرے
بن گیا خوش قسمتی سے سجدۂ شکرانہ رقص

یوں دلِ صد پاش دستِ یار میں ہے مضطرب
جس طرح زاہد کرے تسبیح کا ہر دانہ رقص

ہم تو کیا زاہد بھی بہکا چشمِ ساقی دیکھ کر
کر رہا ہے رند آسا خود بھی بیگانہ رقص

دور میں ساغر ہے اور ساغر میں ہے خود مے کو جوش
ساقیا شیشوں میں پریاں کرتی ہیں مستانہ رقص

گردشِ چشمِ سیہ کر دیکھ لے اے شمع رو
آگ میں گرنے کی جا کرنے لگے پروانہ رقص

پتلیوں کے ساتھ ساتھ آنکھوں کو بھی گردش ہوئی
میکشوں کے ساتھ خود کرنے لگا میخانہ رقص

گردشِ ساغر کبھی ہے، دور میں مینا کبھی
روز رہتا ہے درِ خمار پر رندانہ رقص

رات تھا نامِ شرفؔ پر یوں تواجد میں قتیلؔ
جس طرح میکش کرے ساقی سرِ میخانہ رقص

ض

یوں مرے دلکو ہے اس چہرۂ روشن سے غرض
جیسے بلبل کو ہوا کرتی ہے گلشن سے غرض

ٹھوکروں سے ہے قیامت کا بلانا مقصود
ورنہ انکو کسی بیتاب کے مدفن سے غرض

خار صحرا کو سروکار مرے آبلے سے
پنجۂ دست جنوں کو مرے دامن سے غرض

کوئی مقصد ہے تو بس صرف تمہارا جلوہ
طور سے کام، نہ کچھ وادیِ ایمن سے غرض

بیکلی زخم کی کچھ اور سوا ہو جاتی
ہے تو صرف اتنی ہی قاتل تری چتون سے غرض

مدعا اپنا ہے اُس برق نظر سے جلنا
شاخ سے ہے کوئی مطلب نہ نشیمن سے غرض

طالب دید سے خود کو ہے چھپانا منظور
اور رخ غیر کا نظارہ ہے چلمن سے غرض

بے نیاز اپنی طبیعت ہے، کرم سے اس کے
دوست ہی سے کوئی مطلب ہے نہ دشمن سے غرض

جان جانے کی کسی روز محبت میں قتیلؔ
پیش خیمہ ہے اجل کا بتِ پُرفن سے غرض

ط

تھا جو پیغام قضا اس بت بے پیر کا خط
کھنچ گیا صورتِ خنجر مری تقدیر کا خط

حرف حرف اشک مصیبت کی طرح پھیل گیا
خط یہ خود کہتا ہے، میں ہوں کسی دلگیر کا خط

مصحفِ روئے کتابی جو ہے قرآں کا جواب
کام دیگا ترے عشاق کو تفسیر کا، خط

ہے یقیں بعد فنا خلد میں جاؤں سیدھا
دل پہ رکھتا ہوں غم حضرتِ شبیرؑ کا خط

چشم گریاں میں نہ اتری ترے ابرو کی شبیہ
سچ ہے پانی پہ ٹھہرتا نہیں شمشیر کا خط

ایک دن بھی نہ میسّر ہوئی اُلجھن سے نجات
خطِ تقدیر ہے یا زلفِ گرہگیر کا خط

خندہ زن مجھ پہ ہوا کرتی ہے تدبیر قتیل
جب میں لکھتا ہوں انہیں شکوۂ تقدیر کا خط

ظ

ان کالے واعظ ادب کے ساتھ تو بھی کر لحاظ
دیکھ لینا مے پرستوں کا لبِ کوثر لحاظ

یہ بھی ہے احسان رندوں کا جو پگڑی بچ گئی
ورنہ واعظ اس طرح ممکن نہیں پی کر لحاظ

گریۂ شبنم پہ ہنس دینا گلوں کا ہے بجا
کب کسی کے رنج کا کرتے ہیں اہلِ زر لحاظ

ساری دنیا ایک ہے، اہلِ جفا کی آنکھ میں
دوست دشمن کا نہیں کرتا کوئی خنجر لحاظ

رنگ بن کر اُڑ گئے ہم دیکھ کر صیّاد کو
اسکی صورت دیکھکر کرنے لگے جب پر لحاظ

ہے مثل تالی بجا کرتی ہے دونوں ہاتھ سے
تو ہی کہہ واعظ، کریں میکش ترا کیونکر لحاظ

وہ جفا پیشہ جو شہ زوروں کو بھی کرتا ہے مات
اے قتیلِ ناتواں تیرا کرے کیوں کر لحاظ

ع

بزمِ حسن و عشق میں ہر چند ضو پرور ہے شمع
دیکھکر تجھکو مگر اے مہر وش مضطر ہے شمع

جل بجھے پروانے، اس کو رحم تک آیا نہیں
کس قدر ہے سنگدل گویا کوئی پتھر ہے شمع

روئے روشن نے ترے آخر گلا ڈالا اسے
دو قدم چلنا ہے مشکل کس قدر لاغر ہے شمع

اس پہ پروانے جلے، جلتی ہے پروانوں پہ یہ
عاشقوں میں عاشق، اہلِ حسن میں دلبر ہے شمع

کچھ نہیں گر چہرۂ محبوب سے روشن نہیں
اے قتیلؔ ایسے تو جلنے کے لئے گھر گھر ہے شمع

غ

ڈھونڈھتا ہی ظلمتِ شب میں مرا مسکن چراغ
اس طرف بھی اک نظر یا حضرت روشن چراغ (رضی)

مر گیا ہوں میں جو یادِ چہرۂ گلرنگ میں
گُل ہوا جاتا ہی رہ رہ کر سر مدفن چراغ

سامنے شمعِ رخِ انور کے بزمِ یار میں
سر کبھی دھنتا ہی، کرتا ہے کبھی شیون چراغ

بلبل و پروانہ میں قصہ نہ چھڑ جائے کہیں
صبح ہونے ہوتے گُل ہوتا ہے ہر روشن چراغ

جانے کس گل پیرہن کے رخ کا سایہ پڑ گیا
پھول دامن میں لئے رہتا ہے ہر روشن چراغ

یاد میں اس چہرۂ تاباں کے میں کشتہ جو ہوں
رو کشِ ماہِ درخشاں ہے سر مدفن چراغ

شب جو برق آئی قتیلؔ اپنے نشیمن کی طرف
پتّہ پتّہ، بوٹا بوٹا، تھا سرِ مدفن چراغ

ف

کس کی شامت آئی ہے کیا ہو کوئی دل کی طرف
وقت پر خود دل ہی ہو جاتا ہے قاتل کی طرف

مرتے دم بھی بحرِ غم میں یوں رہی ان پر نگاہ
ڈوبنے والے کی جیسے آنکھ ساحل کی طرف

تھوکتا ہے دل لہو عشقِ لبِ خوش رنگ میں
رفتہ رفتہ لے نہ جائے یہ مرض سل کی طرف

دل جگر کی ہے زنخداں پر نظر اے زہرہ وش
دو فرشتے جا رہے ہیں چاہ بابل کی طرف

اف رے شوقِ زخمِ تیغ، اللہ رے جذبِ حسنِ رقص
آنکھ قاتل کی بھی اُٹھ جاتی ہے بسمل کی طرف

واہ رے عشق تمزہ، یہ بھی کوئی تقدیر ہے
تیر انکے جب چلے، رُخ ہو گیا دل کی طرف

ناز زیبا ہے غلامیِ شرف پرائے قتیلؔ
لے گئی تقدیر مجھکو پیرِ کامل کی طرف

ق

مقتل میں عاشقوں سے اگر رنگ لائے عشق
خونِ شہید پر ہو گمانِ حنائے عشق

ہو جائے کوئی پس کے جو خاکِ رہِ وفا
سرمے کی طرح آنکھ میں اس کو لگائے عشق

اب تو شفا ہے صرف کرم پر مسیح کے
جز شربتِ وصال نہ ٹھہری دوائے عشق

روزِ سیاہ بن کے ہو تقدیر بھی سیاہ
زلفوں کی بھی بلا سے ہے بڑھ کر بلائے عشق

جز دردِ ناشکیب کسی سے غرض نہیں
پہلو میں اپنے قلب و جگر ہیں برائے عشق

جو لفظ ہے وہ سترِ معانی کی شرح ہو
فریادِ اہلِ درد کی ہے ماجرائے عشق

ناز و ادا و غمزۂ جاناں، متاعِ حسن
خونِ قتیلِ بے سروساماں بہائے عشق

ک

تاچند فغاں نالہ و فریاد کہاں تک
برسائے گا آگ اے دلِ ناشاد کہاں تک

ہونا ہی پڑا موم، بتوں کو مرے آگے
سختی کرے داؤد سے فولاد کہاں تک

سدرہ سے بھی اونچا ہے مرا طائرِ مضموں
دیکھوں ہے پہنچ تیری بھی صیاد کہاں تک

کیا الجھ سے وہ رشتۂ جاں کاٹ کے چھوٹا
پتھر ہی فقط کاٹتا فرہاد کہاں تک

اب آپ میں آتا ہے کہیں وحشیٔ گیسو — رگ رگ سے لہو کھینچیگا فصاد کہاں تک

کانٹوں کو بھی زیبا نہیں سر اتنا اٹھانا — دامن کو سمیٹے رہے شمشاد کہاں تک

خاموش قتیل اس کی کوئی حد بھی ہے آخر
یہ ہجر میں دن رات کی فریاد کہاں تک

گ

پتے پتے سے نمایاں ہے رخِ یار کا رنگ — آئینہ فصلِ بہاراں میں ہے گلزار کا رنگ

لوٹ لی پیاس میں کانٹوں نے جو چھالوں کی سبیل — شربتی ہو گیا کل دامنِ کہسار کا رنگ

دیکھ کر نبض مسیحا کا بھی چہرہ ہے اداس — آج اچھا نظر آتا نہیں بیمار کا رنگ

کھیل سمجھی تھی روش میری فغاں کی بلبل — دو ہی نالوں میں لہو ہو گیا منقار کا رنگ

رخِ پُر نور سے اس شوخ کے سرکی جو نقاب — آئینہ بن کے چمکنے لگا دیوار کا رنگ

سب کی سنتا ہے مگر خود نہیں کہتا اپنی — تیرے دیوانے میں پاتا ہوں ہشیار کا رنگ

بے سبب رخت سیہ تن پہ نہیں میرے قتیل
میری پوشاک سے ظاہر ہے گنہگار کا رنگ

ل

چاک سینہ ہے تہہ دود فغان درد دل — یہ زمین درد دل، وہ آسمان درد دل

عرش سے تا فرش چھائی ہے فغان درد دل — آج تالو سے نہیں لگتی زبان درد دل

شکل محبوب آنکھ میں، لب پہ صدائے یا حبیب — بارک اللہ کیا زمانہ ہے زمان درد دل

حسرت و رنج و الم بھی ہو گئے آکر شریک — ساتھ آئے درد دل کے قدر دانِ درد دل

طے ہوئی جب راہ الفت تب کھلا یہ اے قتیلؔ
امتحانوں میں ہے مشکل، امتحانِ درد دل

پہنے جو کبھی کان میں وہ غنچہ دہن پھول — خورشید و قمر شوق میں بن جائیں کرن پھول
آنکھیں تری نرگس ہیں، صنوبر قدِ بالا — سنبل ترے گیسو ہیں، چمن رخ ہے، دہن پھول
سرتاج ولایت رض، ثمرِ گلشنِ وحدت — گلزارِ رسالت کے حسینؑ اور حسنؑ پھول
باقی ہے ابھی جورِ خزاں، ناز ہے بیجا — پھولوں پہ نہ اس درجہ تو اے مرغِ چمن پھول

کانوں میں قتیلؔ ان کے فقط پھول ہیں دو ہی
ہیں بارِ نزاکت سے مگر سیکڑوں من پھول

م

ہیں کلیم اللہ، اے صلِّ علیٰ شانِ کلیمؑ — طورِ سینا فرشِ پا اندازِ ایوانِ کلیمؑ
مظہرِ صبحِ ازل، رخسارِ تابانِ کلیمؑ — منظرِ شامِ ابد، زلفِ پریشانِ کلیمؑ
صدرِ روشن مہبطِ آیاتِ وحیِ ذوالجلال — مطلعِ نورِ ازل چاکِ گریبانِ کلیمؑ
آپ کا گلشن نہ کیوں ہو جائے گلزارِ نجات — دشت ایمن ہو گیا، نامِ بیابانِ کلیمؑ
لوحِ قلبِ منجلی، صورت کشِ حسنِ ازل — آئینہ دارِ تجلی چشمِ حیرانِ کلیمؑ
چشمۂ تسنیم و کوثر، حلقۂ فیضِ عمیم — خلد و فردوس و ارم، نامِ گلستانِ کلیمؑ
آج واضح اس پہ ہوتا معنیِ حبل المتین — امت سابق سمجھ لیتی جو فرقانِ کلیمؑ

بعثتِ تاجِ مدینہ کی بشارت ہے تمام — ہوں مقالاتِ مسیحؑ، یا ہوں فرمانِ کلیمؑ

چہرہ فیضِ انتہا، آئینۂ حسنِ ازل — جلوہ گاہ نورِ مطلق، چشمِ حیرانِ کلیمؑ

مشورے سے آپ کے گھٹ کر ہوا پنجاہ پنج — ہر نمازی کی ہے گردن پر یہ احسانِ کلیمؑ

اے قتیلؔ اس سے سمجھ لے شانِ پاک مصطفٰےؐ

امتِ خیر البشرؐ ہوں، ہے یہ ارمانِ کلیمؑ

جوہر دکھا گئے انہیں کس کس ہنر سے ہم — بن بن کے تیغ لپٹے ہیں ان کی کمر سے ہم

سرمے کی طرح بٹتی ہے خاک اہلِ حسن میں — کیا ہو کے اٹھ رہے ہیں تری رہگزر سے ہم

آنکھوں میں ہیں سمائے وہ دندانِ آبدار — پردے نظر کے دھوتے ہیں آبِ گہر سے ہم

صبحِ شبِ وصال ہے یارب کہ صبحِ حشر — منہ تک رہے ہیں آج اک اک کا سحر سے ہم

کیا خاک پائیں نقشِ قدم اپنے بوالہوس — جانے لگے ہیں کوچۂ قاتل میں سر سے ہم

اللہ ری تڑپ کہ قفس بھی ہے رقص میں — ہیں فصلِ گل میں اور بھی تنگ اپنے پر سے ہم

بن جائے چشمِ شوق نہ زخمِ جگر قتیلؔ

زخمی ہوئے ہیں یار کے تیرِ نظر سے ہم

ن

رخ پر نقاب ڈال کے آئے ہیں خواب میں — اک شاخ انہوں نے اور لگا دی حجاب میں

سودائے زلف سر میں ہے، دل پیچ و تاب میں — کس کی بلا ہے، کون پڑا ہے عذاب میں

ہیں عکس بن کے عارضِ انور شراب میں — دو آفتاب ڈوبے ہیں اک آفتاب میں

جور و جفا بھی ناز و ادا کے ہیں ساتھ ساتھ
یہ چار چاند اور لگے ہیں شباب میں

مستی میں بھا جو اس گل رخسار کا خیال
ساقی نے پھول بھر دیئے جام شراب میں

نکلا جو آفتاب قیامت سر فلک
داغِ جگر اِدھر سے بھی چمکا جواب میں

تفسیرِ خالِ مصحفِ عارض ہو کیا محال
حرف ایک یہی تو نکتہ ہے پوری کتاب میں

بچپن میں کھنچ گیا، تو جوانی میں چھپ گیا
پہلے گرہ جو دل میں تھی، اب ہے نقاب میں

ہر جرعہ کش کا عرش بریں پر دماغ ہے
دنیا نہیں سماتی ہے، جام شراب میں

غفلت نے مجھ کو کند چھری سے کیا حلال
مشکل سے موت آئی بھی میری تو خواب میں

لاکھوں حسیں ہیں انجمنِ دہر میں قتیل
لیکن وہ ایک ہیں، نظرِ انتخاب میں

عوام میں کوئی مخصوص احترام نہیں
نکل کے صف سے جو آگے نہ ہو امام نہیں

پہنچ سکے بھی تو دشواریوں سے چشم تلاش
ہلال ہیں ترے ابرو، مہِ تمام نہیں

تجھے خبر نہیں واعظ، ورق الٹ جا کر
خود اپنے ہاتھ سے ساقی جو دے حرام نہیں

زباں کے ساتھ شب ہجر کٹ گئی خود بھی
ہنوز قصۂ ابرو مگر تمام نہیں

نگاہ تلخ سے واعظ نہ دیکھ رندوں کو
یہ عید کا ہے مہینہ، مہِ صیام نہیں

بڑھی ہے قیمتِ دل، صرف انکی نسبت سے
نگیں نہیں ہے، وہ پتھر ہے، جس پہ نام نہیں

غرض نہ طور سے، مطلب نہ دشت ایمن سے
یہ اُن کا صحن نہیں ہے، وہ ان کا بام نہیں

گرے تو پھر نہ اٹھے گر کے پائے ساقی سے
ہے اس نماز میں سجدہ، فقط قیام نہیں

وہ چشم خاص میں بھی احترام رکھتا ہے
قتیلؔ دانۂ تسبیح کا امام نہیں

محال نظم ہو گر فرق خاص و عام نہیں
کہ منتشر ہو جماعت اگر امام نہیں

کہاں ہو، اے کہ تری ذات سے ہے نظم جہاں
کہ میری نبض میں بھی، اب تو انتظام نہیں

عبث ہو داغ جگر، تجھ سے گر نہیں موسوم
نہیں ہے سکۂ رائج جو تیرا نام نہیں

گلہ ہے مجھ کو تو صرف اس کی بے زبانی کا
دہن میں یار کے لیکن کوئی کلام نہیں

لگی ہے منہ سے یہ شیخ حرم کے ممبر پر
یہ کم دلیل ہو واعظ کہ مئے حرام نہیں

ہے نوک نشتر غم، پختہ مغز کا حصہ
کہ تھوکتا ہی لہو کوئی زخم خام نہیں

فدا ہے جان کے ہمراہ جس پہ ایماں تک
خدا کی شان وہی بت ہنوز رام نہیں

پھرے نہ مڑ کے بھی، گھومے جو گردن اس جانب
نماز عشق ہے یہ، اس میں دو سلام نہیں

الٰہی خیر، مرا کیا قتیلؔ دیوانہ
کہ آج راہ میں لڑکوں کا اژدہام نہیں

فرقت کی رات کیا کہوں داغ جگر کو میں
رہ رہ کے دیکھتا ہوں، فلک پر قمر کو میں

اڑتی ہے خاک دل میں تو آنسو ہیں آنکھ میں
پاتا ہوں انتشار میں کل بحر و بر کو میں

ڈوبی ہوئی ہے زلف و رخ یار میں نگاہ
آنکھوں میں اپنی رکھتا ہوں شام و سحر کو میں

تنگی سے ہو قفس کی تڑپنا بھی اب محال
کیسے سمیٹوں ہمنفسو اپنے پر کو میں

مشہور کرتے پھرتے ہیں وہ، مر گیا قتیلؔ
بتلائے کوئی کیا کہوں اب اس خبر کو میں

دنیا نے گرایا نہ کسے دام ہوس میں
وہ مرد ہے جو آئے نہ اس زال کے بس میں

تیر آئے نہ کیونکر دم فریاد جگر پر
رہرو کا نشاں ہوتا ہے آوازِ جرس میں

آنکھوں سے مری گر گیا عالم دمِ آخر
دنیا بھی مری، صرف مرے چند نفس میں

ہر نقص میں ہے نفع کا پہلو بھی نہفتہ
تریاق بھی ہے زہر کے ہمراہ مگس میں

بے رنج کوئی سال بھی زندوں پہ نہ گزرا
اک ماہ ہمیشہ رمضاں بھی ہے برس میں

ہنگامِ اسیری جو پر و بال ہیں بیکار
ہوش اپنے اڑا کرتے ہیں رہ رہ کے قفس میں

اشکوں کا ابل کر سرِ مژگاں وہ ٹھہرنا
اِک بحرِ رواں بند نظر آتا ہے خس میں

بیکاروں سے اوروں کو ملا کرتی ہے قوت
وہ چند بڑھے صفر سے زور ایک کا دس میں

اللہ رے داغوں سے دلِ زار کی رونق
یاقوت ہے، الماس ہے، نیلم ہے کلس میں

ملتے ہی نہیں ٹوٹ کے آپس میں سبک رو
لگتی ہی نہیں کوئی گرہ تارِ نفس میں

خطرہ ہے قتیل آہِ شرربار سے دل کا
یہ تار ہیں بجلی کے، ضرر ان کے ہے مس میں

نگاہ ہے رخِ ساقی پر اور شراب نہیں
مرے نصیب سے دن کو بھی آفتاب نہیں

جو عکسِ چہرۂ قاتل نہیں، شراب نہیں
وہ سلسبیل ہے، کوثر ہے، آفتاب نہیں

فنائے ذات نہیں دل تو کامیاب نہیں
جو آپ ٹوٹ کے دریا نہ ہو، حباب نہیں

رکے نہ گردشِ جامِ شراب اے ساقی
جو ایک جا کہیں ٹھہرے وہ آفتاب نہیں

شکستِ دل میں ہوئی غرق امید کی دنیا
مری بغل میں کوئی بحر تھا، حباب نہیں

ٹھہر سکے ترے چہرے پہ آنکھ کیا ممکن
نگاہ میں جو سمائے وہ آفتاب نہیں

قتیل مجھ سے منور ہے عشق کی دنیا
وہ کون داغ جگر ہے، جو آفتاب نہیں

تکتے ہیں اپنی صورت وہ فرطِ بیخودی میں — حیرت سے ہے نظر بند، آئینہ آرسی میں
اندوہ، درد، فرقت، تکلیف، رنج، حسرت — کیا کیا نہ ہم نے دیکھا، دو دن کی زندگی میں
خطرے میں ہے وہ دولت، واقف ہو جس سے دنیا — محفوظ ہے زرِ گل، جب تک رہے کلی میں
جینا یہاں کا مرنا، مرنا وہاں کا جینا — دنیا ہی اور دیکھی ہم نے تری گلی میں
خورشید پر گراں ہے، مہتاب پر ہے بھاری — جو ذرّہ خاک کا ہے، اس شوخ کی گلی میں
موت آئی یادِ رخ میں، دردِ جگر جو چمکا — کاٹا عدم کا رستہ، بجلی کی روشنی میں
وہ جلوہ گاہِ وحدت، اللہ رے ہُو کا عالم — اپنی ہی شکل دیکھی، اپنی ہی روشنی میں
اُسکی خوشی بھی غم ہے، ہو درد دل میں جس کے — گرتا ہے اشک آسا، زخموں سے خوں ہنسی میں
غنچے نے زر چھپایا، گُل نے اسے لٹایا — دولت نہیں ٹھہرتی، آکر کفِ سخی میں
ہم زخم ہیں سراپا، ہر حال میں ہے ایذا — نشتر سکوت پر ہو، ٹانکا لگے ہنسی میں

مجھ کو حقیر جانو، مجھ کو ذلیل سمجھو
میں ہوں قتیل، ناقصِ فنِ سخنوری میں

بہار آئی نہیں یا حسن برس جاتا ہے گلشن میں — اک اک گُل زر لئے ہوتا ہے اپنے ساتھ دامن میں
جو نکلی جانِ مضطر یادِ حسن رشئے روشن میں — فرشتے حور بن کر آئے میرے کنجِ مدفن میں

گلہ کیا بلبلوں کا، آتشِ گل کی شکایت کیا
وہ اپنی ہی فغاں سے آگ لگ اٹھی نشیمن میں

شعاعِ حسن ہے یا آتشِ سیّال اُبلتی ہے
ارے ہشیار ساقی، آگ لگ جائے نہ دامن میں

یہ عشقِ زلف و رخ اک روز کام آ ہی گیا آخر
گری اور برق اُلجھ کر رہ گئی شاخِ نشیمن میں

فنا ہو کر بسر کرتے ہیں قبضہ دونوں عالم پر
فلک پر روح رہتی ہے، جسد رہتا ہے مدفن میں

بہار آئی، وہ ابر اٹھا، وہ ساقی سامنے آیا
وہ اُٹھ کر جا پڑا، دستِ سبو شیشے کی گردن میں

لچک شاخوں میں ہوتی ہے کہ پریاں رقص کرتی ہیں
سماں دیکھے کوئی جس دم ہوا چلتی ہے گلشن میں

نظر جلنے لگی ہے ہے، یہ تو نے کیا کیا گلچیں
ارے یہ پھول ہیں یا آگ بھر لایا ہے دامن میں

لہو کی طرح اُبلنے کو یہ جانے جوش میں کیا ہے
کوئی نشتر چبھو دیتا ذرا شیشے کی گردن میں

قتیلِ خوشنوا کی لوگ سب تعریف کرتے ہیں
بڑا استاد ادب میں ہے، بڑا ہشیار ہے فن میں

رسمِ ظاہر کے سوا کچھ دوست دشمن میں نہیں
دفن کوئی بھی کسی کے ساتھ مدفن میں نہیں

تابِ روئے آتشیں سے جل نہ اٹھے مثلِ طور
اب تو وہ اس خوف سے آتے بھی چلمن میں نہیں

نقش پڑتے ہی زمیں پہ ماہِ زریں بن گیا
نعل سونے کا تو اُس رہرو کے توسن میں نہیں

کثرتِ نارِ نظر خود ہو گئی بڑھ کر حجاب
ہے شعاعِ نور چلمن ان کے روزن میں نہیں

شیشۂ دل میں ہزاروں بال آتے ہیں نظر
ہم یہ سمجھے تھے کہ یہ زلفوں کی اُلجھن میں نہیں

دیکھیے کیونکر بنے، دو دو فرشتے ہیں اِدھر
میں ہوں تنہا کوئی میرے ساتھ مدفن میں نہیں

میرے نالوں کا اثر اب تک ہے گلشن پر محیط
کان پھولوں کے ہیں بہرے نطق سوسن میں نہیں

ساتھ چھوٹ جانے پہ بھی رہتا ہے صحبت کا اثر
پھول کی خوشبو بسی ہے، پھول روغن میں نہیں

کام لے تیرِ مژہ سے، خنجرِ ابرو نہ کھینچ
درد اے قاتل مرے دل میں ہے، گردن میں نہیں

دیکھتے ہی دیکھتے دنیا اندھیری ہو گئی
شمع بھی، نامِ خدا، اب دشتِ ایمن میں نہیں

گرتے ہی برقِ خزاں کس طرح جھاڑو پھر گئی
ایک تنکا بھی کہیں شاخِ نشیمن میں نہیں

جا نہیں سکتے ہیں روشن دل بھی تا اہلِ عدم
شمع بھی جلتی رہی مدفن پہ، مدفن میں نہیں

خیر اپنی اب تو ہے ترکِ سخن ہی میں قتیل
غور سے دیکھا تو حاصل کچھ بھی اس فن میں نہیں

پیری میں ہم وقتِ آخر اہلِ جہاں پر بار ہیں
بچتے ہیں سب ہم سے کہ ہم گرتی ہوئی دیوار ہیں

اللہ ری وہ قاتل نظر، زخمی ہے دل، بسمل جگر
کہنے ہی کو آنکھیں تری اے رشکِ گل بیمار ہیں

ناعراف ری دشمنی، بس جھوٹ سچ لکھتے رہے
تربت میں بھی ہم سے ملک آمادۂ تکرار ہیں

زلفِ سیاہِ یار سے زندہ ہے رسمِ کافری
شہ رگ ہی گیا، ساری رگیں ہم رشتۂ زنار ہیں

اللہ جانے شام تک کیا انقلاب آنے کو ہے
وہ صبح ہی سے آج پھر باندھے ہوئے تلوار ہیں

کیا خوب مصرع ہے شمیم*، اچھی غزل تم نے کہی
"کہتے نہ تھے بیمار ہیں، بیمار ہیں، بیمار ہیں"

صحرائے وحشت طے ہو گیا، اللہ اکبر اے قتیل
یادِ مژہ چلنے بھی دے، ہر گام سو سو خار ہیں

کوئی آفت صاحبِ باطن کے سر آتی نہیں
برق تا کاشانۂ ہرغ نظر آتی نہیں

احتیاجِ غیر سے آزاد ہیں عالی مقام
تیغِ ماہِ نو کسی دن سان پر آتی نہیں

بازگشت اپنی سبکرو کے لئے دشوار ہے　　جب گئی عمرِ رواں، پھر لوٹ کر آتی نہیں
جب سے دیکھا ہے تجھے اے آفتابِ نیم روز　　طبعِ وحشی راہ پر دو دو پہر آتی نہیں
تیز لوہا ہے زبانوں پر نہ ہو خونخوار کا　　گردنِ تصویر تک تیغِ دو سر آتی نہیں
دوسروں کے غم سے ہوں اہلِ نزاکت کیا خبر　　چشمِ نرگس نالۂ بلبل پہ بھر آتی نہیں
آبرو والوں سے وقتِ بد ہو کیا چشمِ کرم　　حلقِ بسمل تک کبھی آبِ گہر آتی نہیں
چاک دامانی سے افشا ہو نہ رازِ اہلِ شوق　　پیرہن کے تار پر دل کی خبر آتی نہیں

کچھ نہ کچھ تم کو یقینی یاد آیا اے قتیل
خود بخود ورنہ کسی کی آنکھ بھر آتی نہیں

جز میرے دل کے آپ کی زلفوں پہ آئے کون　　اور آپ کے سوا مرے دل میں سمائے کون
ناقوس چاک سینہ، تو شہنا جگر فگار　　نالوں کا میرے طرزِ جگر دوز اڑائے کون
بیٹھا جہاں وہیں مری جاگیر ہو گئی　　نقشِ قدم کسی کا ہوں مجھ کو اٹھائے کون
ہوں نقشِ پائے راہِ وفا، خوفِ غیر کیا　　جز صرصرِ قضا مری ہستی مٹائے کون

ابرو کا عشق جب دلِ بسمل کو ہے قتیل
خنجر کا پھل پھر اس کے سوا اور کھائے کون

موتی سی آبرو کیوں پاتا نہ میں وطن میں　　ہوتی ہے قدرِ دنداں جب تک کہ ہے دہن میں
جوشِ صفائے تن کا کیا پوچھتے ہو عالم　　خورشید کا ہے جلوہ، نعلین کی کرن میں
کھا کھا کے داغ ہم نے مضموں لکھا ہے رخ کا　　سکّہ بٹھا دیا ہے، یوں کشورِ سخن میں

روزِ ازل سے یکجا ہیں نرم و سخت عالم
شامل ہر اک زباں کے دنداں بھی ہیں دہن میں

روئے عرق فشاں پر اس گُل کے مر گئے ہم
کشتی ہماری ڈوبی اک بحرِ موجزن میں

بعدِ فنا بھی میری وحشت کا ہے یہ عالم
دامانِ دشت کا اک پیوند ہے کفن میں

میں اے قتیلؔ کشتہ ہوں چشم و رخ کا اس کے
عطرِ گلاب و نرگس مَلنا مرے کفن میں

لبِ جانبخش و چشمِ جانگزا کی سیر کرتے ہیں
کشاکش میں ہے جانِ زار، جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

اجل کو بھی وفورِ غم میں ہم محجوب کرتے ہیں
شبِ فرقت تمہاری یاد میں بے موت مرتے ہیں

تصورِ سبزۂ خط کا ترے اے ترک کرتے ہیں
ہم اپنے زخمِ دل میں مرہمِ زنگار بھرتے ہیں

کرم اہلِ کرم کا دوست دشمن پر برابر ہے
سحر دامانِ گلچیں باغ میں پھولوں سے بھرتے ہیں

ہے زیبِ چشمِ خوں آشام اکثر طور کا سرمہ
وہ شمشیرِ نظر پتھر چٹا کر تیز کرتے ہیں

ذرا اے گیسوئے برہم خبر لے اپنے وحشی کی
مدد اے ناخنِ غم، پھر جگر کے زخم بھرتے ہیں

قتیلؔ ان کے تصور میں لہو روتی نہیں آنکھیں
ہم اک نقشِ خیالی میں ہمیشہ رنگ بھرتے ہیں

کیا تولے ہے نظر میں، کیا نوک ہے نظر میں
اک تیر ہے کہ قاتل پیوست ہے جگر میں

تیرِ نظر بھی تیرا کیا دو رخا ہے قاتل
آیا عدو کے دل پر بیٹھا مرے جگر میں

اچھے مسیح ٹھہرے، اچھا علاج ٹھہرا
رکھتے ہیں ہاتھ دل پر، اور درد ہے جگر میں

کچھ تابِ روئے انور، کچھ عشق کی تجلی
خورشید بن کے چمکا، جو داغ تھا جگر میں

ناوک کو کیا کھلاؤں، پیکاں کو کیا پلاؤں
دل میں لہو بھی ٹھہرے، ہو خون بھی جگر میں

یوں عشق متحد ہے، یوں حسن متفق ہے
سوفار میں جگر ہے، سوفار ہے جگر میں

جب حسن فتنہ گر نے لی عشق کی تلاشی
خنجر ملا گلے میں، پیکاں ملا جگر میں

کچھ اس کا حصہ ٹھہرا، کچھ اس کا حصہ ٹھہرا
ناوک تو آئے دل پر، پیکاں رہے جگر میں

اڑتے ہیں تیرے ناوک کرتے ہیں چال خنجر
اُترا نہ قلب میں وہ، ٹھہرا نہ یہ جگر میں

داغ وفا ہے قائل، عکس ادا ہے قائل
تصویر تیری دل پر، نقشہ ترا جگر میں

یہ ہے قتیلؔ ان کے دزدِ نظر کا احساں
اک چور زخم میں ہے اور زخم ہے جگر میں

مستی، شباب، گردش، ہے چشم فتنہ گر میں
مئے جوش کھا رہی ہے، پیمانہ نظر میں

اُڑتی ہے خاک دل میں، آنسو ہیں چشم تر میں
جز غم نظر نہ آیا، کچھ مجھ کو بحر و بر میں

ہونا نہ ہونا جو ہو، آگے خدا کی مرضی
تقدیر لے تو آئی، قاتل کی رہگزر میں

دنیا ہو زیر فرماں، اخلاق ہوں جو اچھے
جو خُلق میں ہے قوت، ممکن نہیں وہ زر میں

ہے عکس زلف پُرخم، اف یہ صفائے عارض
دیکھی شب تمنا، آئینۂ سحر میں

کچھ حُسن کے ہیں جلوے کچھ عشق کے کرشمے
میں ہوں نظر میں ان کی، وہ ہیں مری نظر میں

وہ نالہائے بلبل، وہ شیونِ عنادل
چہرا اُتر گیا ہے پھولوں کا رات بھر میں

تکمیل تابِ رخ سے اُڑنے لگی جوانی
پورے شباب پر ہے خورشید دوپہر میں

وہ شمع بام خوبی، جہاں قتیلؔ اگر ہو
گھی کے چراغ شب بھر روشن کروں میں گھر میں

فرطِ حیرانی میں غم کھانے کے بھی قابل نہیں
صورتِ تصویر پہلو میں ہمارے دل نہیں

جادۂ راہِ وفا دشوار ہے، مشکل نہیں
سر جہاں اُترے سوا اس کے کہیں منزل نہیں

ہو نظر جس پر تری بازی اسی کے ہاتھ ہے
یوں تو کہنے کے لئے پہلو میں کس کے دل نہیں

کوثر و تسنیم دو قطرے ہیں اس کے جام کے
میرے ساقی سے زیادہ کوئی دریا دل نہیں

تیرہ دل سے جز نظر بیسود ہے چشمِ کرم
کوئی فیض ابرِ بہار زلف سے حاصل نہیں

اپنی ہی آہوں سے خود کشتہ ہوئی شمعِ حیات
میں ہی وہ مقتول ہوں جس کا کوئی قاتل نہیں

موت سمجھو تو سنِ عمر گریزاں کا سکون
راہِ ہستی میں مسافر کی کہیں منزل نہیں

چشمِ حور اک ایک ساغر، رشکِ غلماں مغبچے
جو نہ ہو رشکِ ارم، ساقی کی وہ محفل نہیں

قرب اکثر باعثِ ناکامیابی ہے قتیل
پاس دریا کے ہے لیکن تر لبِ ساحل نہیں

گیسو بسے ہیں نکہتِ عنبر نثار میں
تم ایک پھول ہو چمنِ روزگار میں

کل تک بساطِ دہر پہ جو ساتھ ساتھ تھے
دیکھا نہ آج مڑ کے بھی مجھ کو مزار میں

مرنے کے بعد بھی ہے طلائی رخوں کی یاد
رکھتا ہوں اپنے ساتھ خزانہ مزار میں

جوشِ بہار، دورِ خزاں، انقلابِ دہر
عبرت کا درس ہے نظرِ ہوشیار میں

ہر داغ اپنا فصلِ چمن میں ہے اشرفی
اس مرتبہ برس گیا، سونا بہار میں

پایا ہے مٹ کے ہم نے محلِ اعتبار کا
ہم خاک بن گئے ہیں ترے دل کے غبار میں

مٹ کر بھی ہے وہی گلِ رخسار کا خیال
اڑتی ہے میری خاک بو لئے بہار میں

آنکھیں کھلی ہیں نزع میں اللہ رے اشتیاق — نرگس کی طرح عمر کٹی انتظار میں

رہ رہ کے آرہی ہے جو بوئے وفا قتیل
دل کی بھی کوئی قاش نہ ہو اس کے ہار میں

سامنے اغیار کے سر اپنا خم کیونکر کریں — جو کبھی ہو ہی نہیں سکتا، وہ ہم کیونکر کریں
لب تو لب ٹانکے دہانِ زخم میں بھی پڑ گئے — تیرے بسمل شرح اندوہ و الم کیونکر کریں
مد و جزرِ زندگی میں حوصلہ پرور ہے سعی — عقل کہتی ہے کہ فکرِ بیش و کم کیونکر کریں
ہے بجا حسنِ اتم پر لن ترانی کی نقاب — دیدۂ حادث سے ہم سیرِ قدم کیونکر کریں
ہائے ری وہ کمسنی، اللہ ری وہ سادگی — پوچھتے پھرتے ہیں اک اک سے ستم کیونکر کریں
جس کے اک اک جام سے پیدا ہوں سو سو کج کلاہ — ہمسری اس رند کی خاقان و جم کیونکر کریں

داغِ دل کی طرح جو پہلو میں رکھتے ہیں قتیل
خرچ وہ للہ دینار و درم کیونکر کریں

جلانے پر مرے آ کر عدو کو یاد کرتے ہیں — پسِ مردن وہ مٹی اور بھی برباد کرتے ہیں
ستم ایجاد ہیں، کیا کیا ستم ایجاد کرتے ہیں — وہ پہلے پر کتر دیتے ہیں، پھر آزاد کرتے ہیں
خدا رکھے، جوانی عفت میں بدنام ہوتی ہے — بُرا کرتے ہیں غیروں پر جو وہ بیداد کرتے ہیں
گلی بھی اس پری رو کی ہے، مجلس یاس و حسرت کی — جو نہ خاموش بیٹھے ہیں، تو وہ فریاد کرتے ہیں
ہمارے پھول میں شربت پلاتے ہیں حسینوں کو — وہ کس کس طرح ادا رسم مبارکباد کرتے ہیں
رقم کرتا ہوں جب وصف انکی چشم و زلفِ مشکیں کا — غزالانِ ختن آنکھوں سے دُہرے صاد کرتے ہیں

قتیلِ خستہ جاں کو کشتنی سمجھے ہیں جس دن سے
وہ اکثر تیز اس پر خنجرِ فولاد کرتے ہیں

نوک کی اہلِ تحیّر سے کوئی لیتا نہیں
دامنِ تصویر سے کانٹا کبھی الجھا نہیں

شوخیٔ تحریر الٹ دے روئے مضموں سے نقاب
جو حجاب لفظ میں ہو، وہ رخِ معنیٰ نہیں

غرق ہیں نورِ تصور میں نگاہیں قیس کی
دیدۂ دل پر نقابِ چہرۂ لیلیٰ نہیں

اصل سے ہر فرع کا ملنا دلیلِ اصل ہے
کون سا قطرہ ہے دریا میں، جو خود دریا نہیں

اس طرف ضعفِ نظر ہے، اس طرف برقِ جمال
عاشق و معشوق میں ورنہ کوئی پردا نہیں

گو ہے بے آبِ حق، آئینۂ حسنِ مجاز
وہ تو قطرہ بھی نہیں، جو اصل میں دریا نہیں

چھا گیا ہے، اس طرح سر پر غمِ ہجراں قتیل
پھول بھی زخمِ جگر کا اب کبھی ہنستا نہیں

لبوں پہ زلف کے اوصاف لائے جاتے ہیں
یمن میں شام کے جلوے دکھائے جاتے ہیں

یہ اہلِ حسن کی محفل ہے اس کا کیا کہنا
بجائے شمع، یہاں دل جلائے جاتے ہیں

عروج پا نہیں سکتے نصیب کے مارے
نظر پہ چڑھنے سے پہلے گرائے جاتے ہیں

خدا معاف کرے میری روسیاہوں کو
یہ کیا ہے قبر میں سب منہ چھپائے جاتے ہیں

صدائے قُم تو ہے افشائے راز کا باعث
یہاں نگاہ سے مُردے جِلائے جاتے ہیں

نظر تو لٹنے کو اُٹھی، مگر تھی نہ دیدہ
لگے جو زخم وہ پانی چرائے جاتے ہیں

پکار کر یہی کہتی ہے ہر شکستِ حباب
یہاں جو سر ہیں اٹھاتے، مٹائے جاتے ہیں

فسانۂ قیسِ حزیں کا نہ ہو سکا دلچسپ
تو جا بجا مرے قصے ملائے جاتے ہیں

لیا کبھی نہ احبّا نے امتحاں اپنا
مگر قتیل ہم اب آزمائے جاتے ہیں

بتوں کی آنکھ میں سرمے گھلائے جاتے ہیں
نظر کی تیغ پہ جوہر چڑھائے جاتے ہیں

یہ کوئی کھیل نہیں، عشقِ خالِ مشکیں ہے
چنے بھی لوہے کے اس میں چبائے جاتے ہیں

جو کھنچ کے آتے ہوں خنجر، تو ان سے جھک کے ملو
یہ میہمان تو سر پہ بٹھائے جاتے ہیں

بجا ہے آنچ کڑی تیغِ نازِ قاتل کی
اسی سے زخمِ جگر کے پکائے جاتے ہیں

جو ڈھونڈتے ہیں وہ جلتے ہوئے چراغ کبھی
تو دل اسیرِ محبت کے لائے جاتے ہیں

جو راہ میں انہیں ملتے ہیں خاک کے تودے
مری لحد کے گماں پر مٹائے جاتے ہیں

بساطِ دہر پہ چلتے ہیں جو اکڑ کے قتیل
پسِ فنا وہ لحد میں دبائے جاتے ہیں

نہ اٹھے پھر، جو در پہ اس بتِ پرفن کے بیٹھے ہیں
کہ بیٹھے ہیں تو ہم نقشِ کفِ پا بن کے بیٹھے ہیں

کہیں اچھے ہیں تجھ سے تیرے تیرِ خطا قاتل
جگر میں اپنے کچھ، کچھ دل میں مونس بن کے بیٹھے ہیں

شبِ معراج دو ہی گام میں طے تھی رہِ گردوں
یہ مہر و ماہ، دو نقشے سمِ توسن کے بیٹھے ہیں

جمالِ شاہدِ یکتا، خراج اندوزِ عالم ہے
یہ داغِ دل ہیں یا سکّے رخِ روشن کے بیٹھے ہیں

ہوا جاتا ہے خورشیدِ قیامت شرم سے پانی
سرِ محشر، یہ ہم سائے میں کس دامن کے بیٹھے ہیں

بتوں کے داغ دل پر ہیں، بدن پر تیغ کے چرکے
نشاں پتھر کے ہیں کچھ، نقش کچھ آہن کے بیٹھے ہیں

وہی داغِ جگر خورشیدِ محشر بن کے چمکیں گے
تصوّر میں جو تیرے عارضِ روشن کے بیٹھے ہیں

مرے پہلو میں آئے بھی تو کس انداز سے بگڑے
جو اٹھے درد بن بن کے، تو دل بن بن کے بیٹھے ہیں

کوئی بزمِ سخن ہو، یا قتیلؔ احباب کا جلسہ
یہ جتنے ہیں سنا لے، آسمانِ فن کے بیٹھے ہیں

جہاں میں اہلِ جہاں رہے ہیں، تو مثلِ اہلِ سرا رہے ہیں
جو چار دنیا میں آ رہے ہیں، تو چار دنیا سے جا رہے ہیں

خیال کی طرح شعلہ رویوں کو، خانۂ دل میں لا رہے ہیں
ہم اپنے ہاتھوں سے ہجر کی رات، آگ گھر میں لگا رہے ہیں

نگاہیں غیروں سے مل رہی تھیں، بھویں کھنچیں دیکھتے ہی ہمکو
اُدھر جو ساغر چلا رہے تھے، اِدھر وہ خنجر چلا رہے ہیں

خود ان کے نقشِ قدم ہیں یارب، کہ قبرِ عاشق نہیں یہ کھُلتا
یہ کوئی شئے ہے، جو راستے میں وہ آتے جاتے مٹا رہے ہیں

وفا بھی اُنکی جفا ہی نکلی، کرم بھی ان کا ستم ہی ٹھہرا
بجائے پھولوں کے میری تربت پہ آکے تیوری چڑھا رہے ہیں

اگرچہ پیسا کئے وہ ہم کو، بڑھا دیا ہم نے حُسن ان کا
اسیر رہ کر بھی ان کے ہاتھوں میں ہم برنگِ حنا رہے ہیں

کٹی جو راہِ طلب یکایک تو اپنے ہی بھیس میں ملا وہ
ہمیں کہیں ابتدا رہے ہیں، ہمیں کہیں انتہا رہے ہیں

یہ وعظ باہجومِ سختی ناصح، بتا تو کب تک خدا پہ سونپیں
وہ بعدِ مرنے کے جانے کیا ہو، ابھی تو صدمے اٹھا رہے ہیں

بیک کرشمہ دو کار ٹھہرا، بہانہ دیدار کا نکالا
جو آنکھ اُن سے لڑا رہے ہیں، قتیل جادو جگا رہے ہیں

اس قدر گُل کھلائے ہم نے حسرتِ دیدار میں — نور ہے آنکھوں کا ہر داغ دلِ بیمار میں
روح صرف آنکھ ہوئی ہے شربتِ دیدار میں — دیکھ لو خود چل کے حالت بھی ہے کچھ بیمار میں
کشتیٔ عمرِ رواں اب بھی تو فانی پار ہو — جوش پر خونِ جگر ہے، باڑھ ہے تلوار میں
یوں دلِ صد پاش زلفِ کفر ساماں میں رہا — دانۂ تسبیح جیسے رشتۂ زنّار میں
چار جانب سے ہجومِ یاس ہے گھیرے ہوئے — دل نہیں نقطہ ہے کوئی حلقۂ پرکار میں
آبلوں کی مشک میں ہے سر بہ مہر آبِ حیات — سر سے پا تک تازگی آ آ گئی ہر خار میں

رشتۂ جاں کٹ گیا اللہ ری تابش اے قتیل
شب جو گزری یادِ تیغِ ابروئے خمدار میں

کھنچے بھی گر تو رواں ابروئے نگار نہیں — وہ ذبح کرتے ہیں لیکن چھری میں دھار نہیں
بجا ہے دل کو وہاں بھی اگر قرار نہیں — بہشت کوئی مرے حور کا دیار نہیں
نفس اسیرِ محبت کا پائیدار نہیں — چلے چلے نہ چلے کوئی اعتبار نہیں
عرق جبیں پہ، نظر منفعل، ارے توبہ — اب آپ کہنے چلے جائیں سو ہزار نہیں
خلاصہ میرے فسانے کا ہے کہ مرتا ہوں — اب اس سے بڑھ کے تو دنیا میں اختصار نہیں

اثر یہ بعد فنا بھی ہے خاکساری کا — کبھی زمیں سے اونچا مرا مزار نہیں

چلے نہ زور کسی پر تو رنج کیا صاحب — خود اپنی زیست پہ انساں کو اختیار نہیں

ہے کائنات میں دیوانگی ہی اصل شعور — نہ ہو جو عقل سے بیگانہ، ہوشیار نہیں

برنگ اشک ہوا گھل کے جذب سوز فراق

قتیلؔ کا ترے مدفن نہیں، مزار نہیں

ہیں مرد وہی حلقۂ ارباب وفا میں — لغزش میں سہارا جو ہوں گرتوں کو جو تھامیں

آہی گئی تاثیر مریضوں کی دعا میں — کچھ جیب سے اپنی وہ ملاتے ہیں دوا میں

ہمدرد بھی کرتے ہیں برے وقت کنارا — ہوتی نہیں تاثیر شب ہجر دعا میں

آمیزش غیر اہل نزاکت پہ گراں ہے — پھٹنے پہ کبھی پیوند نہیں گل کی قبا میں

محروم خوشی وصل میں بھی ہنس نہیں سکتے — غنچہ نہ کھلا رہ کے کبھی قاتل کی قبا میں

اشک ہے یہ افتادگی بخت کا عالم — اڑتا ہی نہیں مشت غبار اپنا ہوا میں

ہے خون تمنا کا قتیلؔ اپنے فسانہ

تحریر جو آتی ہے نظر برگ حنا میں

نقش دل میں اس بت کا زنخداں دیکھ لیتا ہوں — میں یوسف کو میان چاہ کنعاں دیکھ لیتا ہوں

تصور میں شب غم، زلف پیچاں دیکھ لیتا ہوں — سحر سے پہلے اک خواب پریشاں دیکھ لیتا ہوں

خیال آتا ہے جب ارباب زر کے کبر و نخوت کا — تو مڑ کر جانب گور غریباں دیکھ لیتا ہوں

بلا سے پھوٹتا ہے سر مرا وحشت میں ٹکرا کر — لہو سے رونق دیوار زنداں دیکھ لیتا ہوں

خوشی سے تھا نہ غم بھی میرا اک لحظہ نہیں خالی
جنوں میں خندۂ چاکِ گریباں دیکھ لیتا ہوں

شبِ غم کم سے کم داغوں سے دل کو یہ تو حاصل ہے
جو غنچہ بھی نہ ہو اس کو گلستاں دیکھ لیتا ہوں

سیاہی یاد آتی ہے ان آنکھوں کی جو حسرت میں
سوادِ کوچۂ زلفِ پریشاں دیکھ لیتا ہوں

ہمیشہ حسن پر دنیا میں پایا عشق کو غالب
سنا ہے حضرتِ یوسفؑ کا داماں دیکھ لیتا ہوں

لہو بن کے بہہ جاتا ہے اک اک آبلہ دل کا
تصور میں بھی گر اس بت کی مژگاں دیکھ لیتا ہوں

خیال آتا ہے جب اس مصحفِ روئے کتابی کا
بیاضِ دل کے ہر پارے میں قرآں دیکھ لیتا ہوں

غزل کہنے سے پہلے اے قتیلؔ اپنا یہ شیوہ ہے
جنابِ بیدلؔ کا کچھ دیر دیواں دیکھ لیتا ہوں

نایاب صفائے رخ میں ہم تل کو ڈھونڈتے ہیں
کافور ہے نظر میں عنبر کو ڈھونڈتے ہیں

ابرو کا ہے تصور اک ترک کی طلب ہے
تلوار لے کے خود ہم قاتل کو ڈھونڈتے ہیں

آنکھوں میں آ گئے ہیں ٹکڑے جگر کے بہہ کر
مردے ابھر ابھر کے ساحل کو ڈھونڈتے ہیں

مٹ کر بھی خاک اپنی گردِ سفر ہی نکلی
ذرے ہوا میں اڑ کر منزل کو ڈھونڈتے ہیں

تابِ شعاعِ رخ سے کچھ سوجھتا نہیں ہے
منزل پہ ہم پہنچ کر منزل کو ڈھونڈتے ہیں

نذر کیے پھول آئے گلشن میں بلبلوں تک
خود ہی سخی جہاں میں سائل کو ڈھونڈتے ہیں

ابرو کے عشق میں ہے سر بارِ دوش جب سے
ہم اے قتیلؔ خود سے قاتل کو ڈھونڈتے ہیں

قلم سے جب صفاتِ نرگسِ جادو نکلتے ہیں
سیاہی کو سوادِ دیدۂ آہو نکلتے ہیں

زمیں گردش میں آ جاتی ہے گردوں رقص کرتا ہے
پہن کر جب بتانِ مہوش گھنگھرو نکلتے ہیں

اک اک قطرہ جواب گوہرِ شہوار ہوتا ہے
خیالِ سلکِ دنداں میں جہاں یہ آنسو نکلتے ہیں

جو لب پر ضعف بڑھ کر مہرِ خاموشی لگاتا ہے
تو بیتابی میں نالے چھید کر تالو نکلتے ہیں

تری لوحِ جبیں میں عکس ان زلفوں کا کیا کہیے
یہ ہے وہ صبح جس میں شام کے پہلو نکلتے ہیں

نہ گر جائے کہیں خود آ کے عنقا دامِ الفت میں
کمر سے اب تو آگے یار کے گیسو نکلتے ہیں

قتیل ان کی گلی میں رات کو جو قتل ہوتا ہے
تو اس کی خاک سے اکثر گلِ شبو نکلتے ہیں

قوتِ پرواز کم میرے کبوتر میں نہیں
پر کوئی سرخاب کا جبریل کے پر میں نہیں

فیضِ ابراہیم سے وہ بات پتھر میں نہیں
بت تراشے، اب وہ قوت دستِ آذر میں نہیں

بوند بھی اک آبِ حیواں کی مقدر میں نہیں
آئینہ تقدیر کا دستِ سکندر میں نہیں

بے تکلف، بے غرض، بیساختہ، بے دردِ سر
میرے چلو کی سہولت ان کے ساغر میں نہیں

شوخیٔ عہدِ جوانی اور اس پر یہ حجاب
شرم کی بھی کوئی حد ہے، آئینہ گھر میں نہیں

میکدہ اور قحط، دل جلنے لگا، گھٹتا ہے دم
مے نہیں ساقی، تو کیا پانی بھی ساغر میں نہیں

لے اڑے مکتوبِ شوق اپنا وہ چنگل میں قتیل
ایسا ناخن ہی کوئی پائے کبوتر میں نہیں

موت کا منہ دیکھتا ہوں موجۂ تنویر میں
آئینے میں آئینہ، شمشیر ہے شمشیر میں

گم ہے خود اپنا وجود اس شوخ کی تنویر میں
اپنی صورت دیکھتا ہوں یار کی تصویر میں

خاک ہونا ان کے کوچے میں بڑی دولت ہے یہ
ورنہ جز خاک اور ہے رکھا ہی کیا اکسیر میں

رہ نہیں سکتا ہے آغوشِ کماں میں کوئی تیر
ربط باہم غیر ممکن ہے جوان و پیر میں

وا ہوئی اک اک گرہ عقدِ انامل کی طرح
چھپ گئی تقدیر جا کر دامنِ تدبیر میں

جلوۂ جاناں ہی کچھ اس طرح آنکھوں پر محیط
ایک ہی صورت نظر آتی ہے ہر تصویر میں

رات دن پیشِ نظر ہے یار کا خالِ سیاہ
یہ گرہ اچھی پڑی ہے رشتۂ تقدیر میں

جھک کے ملتے ہو کبھی کھنچ کھنچ کے اڑتے ہو کبھی
تیر ہو تم تیر میں شمشیر ہو شمشیر میں

سعیِ پیہم چاہیے، بیٹھے نہ کاہل اے قتیل
حل مقدر کا نہفتہ ہے فقط تدبیر میں

افتادگی عروج ہے الفت کی راہ میں
زینہ ملا ہے بخت کا یوسف کو چاہ میں

مطلوب جلوہ گر ہے مصیبت کی راہ میں
اللہ یاد آتا ہے حالِ تباہ میں

نالے شبِ فراق ہیں یوں دودِ آہ میں
جیسے کوئی سپاہ ہو گردِ سپاہ میں

پانی نہ گزرے سر سے اگر عشق خام ہے
ممکن نہیں کہ ڈوب سکے کوئی تھاہ میں

داغِ جگر پہ ظلمتِ گیسو محیط ہے
خورشید گم ہے پردۂ ابرِ سیاہ میں

دھوکے میں میرے قتل حریفوں نے کر دیا
قاصد کی جان مفت گئی اشتباہ میں

دینا پڑے گا عشق میں دل کو زباں کا ساتھ
دعویٰ غلط ہو فرق جو آئے گواہ میں

ابرِ سیہ سے بن گئی تقویٰ کی جان پر
توبہ چھپی ہے آ کے مری خانقاہ میں

کیونکر کھلے قتیل پہ رتبہ ثواب کا
جس کی تمام عمر کٹی ہو گناہ میں

وہ بے نقاب روئے طلائی اگر کریں
غنچے نثار باغ میں مٹھی سے زر کریں

ہم سر کو پاؤں جادۂ شمشیر پر کریں
گردن کی طرح راہ کٹے یوں سفر کریں

سودائے زلف چھپ نہیں سکتا جہان میں
دامن کے تار بڑھ کے جنوں کی خبر کریں

طول شب فراق تو کیا عمر کاٹ دیں
ہم بات ابروؤں کی ترے رات بھر کریں

آنکھوں کے بل چلیں گے رہِ عشق میں قتیلؔ
نقشِ قدم کہیں نہ ملے یوں سفر کریں

ہوا کرتی ہے قدر حسن جوہر اہلِ جوہر میں
ہے اتنا کہ بدیدہ آئینہ یادِ سکندر میں

وہی گردش جو ابدال جوش پر ہے چشمِ دلبر میں
اسی کا فیض کچھ شیشے نے پایا کچھ ہی ساغر میں

حباب آسا اسے ضربِ فنا معدوم کرتی ہے
ہوا انکر تکبر نے جگہ کر لی ہو جس سر میں

تواضع سنگدل کی اور بھی خونخوار ہوتی ہے
کہ خم سے کاٹ افزوں اور ہو جاتا ہے خنجر میں

محبت کو ازل سے حسن کا محتاج ہونا تھا
غنا دل کو دیا افلاس، زر رکھا گلِ تر میں

جو تھے مذکور اپنے خط میں ان کی ہاتھ کے چھلے
تو خوش ہو کر پہنا دی پنجی پائے کبوتر میں

قتیلؔ دم بخود ہے، یا مجسم آپ حیرت ہے
لگا ہے آئینہ اک قدِ آدم یار کے در میں

زرِ گل کام نہ آئے تو اسے زر نہ کہوں
لاکھ دولت ہو، میں تاروں کو تونگر نہ کہوں

ایک تلخی پہ یہاں لاکھ حلاوت قرباں
مئے کو مئے جانوں کبھی کھول کے کوثر نہ کہوں

قتل پر بھی جو کسی کے نہ پسیجا ہو کبھی
کیا کہوں اور میں اس دل کو جو پتھر نہ کہوں

نامۂ دوست جو لائے، تو معزز ہو جائے / میں ہما سب سے کہوں، اس کو کبوتر نہ کہوں

عرش پیما ہے بہار آتے ہی بازو کی پھڑک / لے اڑے جو نہ قفس کو میں اسے پر نہ کہوں

نام ہے اصل میں یکجہتیٔ طاقت کا حیات / گر کے بازو سے جو رہ جائے اُسے پر نہ کہوں

اب تو احباب مرے مجھ کو یہ کہتے ہیں قتیل

حق بجانب ہوں اگر تجھ کو سخنور نہ کہوں

پامال جو خزاں میں ہو میرا چمن نہیں / زخم جگر، گلاب نہیں، نسترن نہیں

بنتا بگڑنا فضل پہ تیرے ہے منحصر / یزداں نہیں، جہاں میں کوئی اہرمن نہیں

تم تازگیٔ دہر ہو، تم نور کائنات / خالی جو تم سے ہو وہ کوئی انجمن نہیں

بتلائے کون حال چمن عندلیب کو / سوسن زبان رکھتی ہے خالی سخن نہیں

دل کی بہار، داغِ غمِ دلربا سے ہے / ویرانہ کہیے، پھول نہیں تو چمن نہیں

عریانیٔ جنوں کا بھی اللہ رے اثر / بعد فنا بدن سے لپٹتا کفن نہیں

کیا اے قتیل نذرِ جنوں ہو بس فنا

اب تو کفن نہیں، کوئی تارِ کفن نہیں

مژہ کی یاد آتی ہے فغاں میں / کہیں کانٹے نہ پڑ جائیں زباں میں

معاذ اللہ یہ سختی بیاں میں / کوئی ہڈی نہ ہو تیری زباں میں

تجلی ہے ہماری این و آں میں / ہمیں ہم ہیں زمین و آسماں میں

ہے تاریکی ہی تاریکی خزاں میں / کوئی بجلی لگا دے آشیاں میں

جگر خود بہ گیا اشکوں میں مل کر — ہے میر کارواں گم کارواں میں
ہے خال رخ بھی کوئی سر مخفی — یہ نکتہ آ نہیں سکتا بیاں میں

قتیل ان کی گلی میں چل کے مرنا
ہے امن دو جہاں اس آستاں میں

اہل بصر کو شکوۂ بعد مکاں نہیں — مرغ نظر کے واسطے دور آسماں نہیں
مجھ کو شب وصال عزیز اس سے جاں نہیں — اس دام میں بھی آئے، تو یوسف گراں نہیں
اچھا کبھی ہے روز روز کا یہ امتحاں نہیں — اے ضبط، یا فغاں نہیں، یا آسماں نہیں
ممکن نہیں بتوں کے کبھی لب بھی ہل سکیں — ادنیٰ تو بے دہن، جو دہن ہو، زباں نہیں
جو بات ہے کڑی ہے، جو فقرہ ہے سخت ہے — کہنے کو زباں میں تری استخواں نہیں
آنا پڑا ہی کوہ پہ شیریں کو ایک دن — محنت کبھی خدا کی قسم رائگاں نہیں
اے برق کب تک اور کہاں تک گرے گی تو — کس شاخ پر چمن میں مرا آشیاں نہیں
کھینچی شبیہ باغ کی بہزاد نے مجھے — تصویر بھی کھینچی تو مرا آشیاں نہیں

سورج نہیں یہ شعلۂ فریاد ہے قتیل
آہ غریب کا ہے دھواں، آسماں نہیں

میں اشک ایستادہ ہوں، سر گرد نشاں ہوں — آنکھوں پہ چڑھا تھا، تری آنکھوں سے گرا ہوں
انساں ہے وہی خود کو جو سمجھے کہ میں کیا ہوں — کہنے کو تو فرعون بھی کہتا تھا، خدا ہوں
پیوند زمیں صورت نقش کف پا ہوں — اب کیا میں اٹھوں گا کہ اُن آنکھوں سے گرا ہوں

بات آن کی تھی، جان تو ہے آن کا صدقہ — ورنہ شب غم دل میں تو آیا کہ کراہوں
کرتی ہے تجھے یاد مجھے دیکھ کے دنیا — تو کعبۂ مقصود ہے، میں قبلہ نما ہوں
جس پردہ نشیں کو ہو تصور میں بھی پردہ — کیا شکل نکالوں، اسے کس طرح میں چاہوں
سر پاؤں پہ، چوکھٹ پہ جبیں، راہ میں آنکھیں — وہ عشق نے کھینچا ہے کہ تصویر وفا ہوں
اب جو بھی ہو تقدیر میں، اللہ کی مرضی — اپنا تو ارادہ ہے، کسی طرح نباہوں

اک تُرک جفاجُو سے قتیلؔ انس ہے مجھ کو
مستوجب آزار ہیں بے چون و چرا ہوں

کوچے میں بتوں کے جا جا کر ہم شب کو پکارا کرتے ہیں
اللہ کے بندو، نام خدا، ہم دل کو اجارا کرتے ہیں
وحشت میں شب غم قلب و جگر کب پاس ہمارا کرتے ہیں
جب وقت برا آ جاتا ہے، اپنے بھی کنارا کرتے ہیں
ہم ڈوب چلے جب دل کی طرح، مژگاں کا تصور کام آیا
سچ ڈوبنے والے گھبرا کر، تنکوں کو سہارا کرتے ہیں
یہ بازی دل ہے دل والو، ہشیار ذرا اس مُہرے سے
پھر ان کی جگہ دنیا میں نہیں، یہ داؤں جو ہارا کرتے ہیں
قربان ترے اے نجمِ فغاں، پھر شوق ہے ان کو سننے کا
جس طرح غزلخواں اچھا شعر ارشاد دوبارا کرتے ہیں

میخانہ نہیں ٹکسال ہے یہ، انسان ڈھلا کرتے ہیں یہاں
دو چھینٹوں میں مے کے واعظ کا ہم بھوت اتارا کرتے ہیں

جنت کی زمیں، پیمانے کی دکاں، رضواں کو خطاب پیرِ مغاں
اک جام پلا کر رندوں کو، کوثر پہ اتارا کرتے ہیں

تقدیر کے پانسے الٹے ہیں، اللہ ری مصیبت فرقت کی
رستے سے اجل پھر جاتی ہے، جب موت گوارا کرتے ہیں

چشمک ہے قتیل ان کو ہم سے، یا اپنے تخلص کا ہے اثر
تلوار پہ آنکھیں ہوتی ہیں، جب ذکر ہمارا کرتے ہیں

ہونے والا کچھ بھی ہو، حد سے سوا ہوتا نہیں
آدمی کتنا ہی بڑھ جائے، خدا ہوتا نہیں

وہ خطا کر جائے، لیکن یہ خطا ہوتا نہیں
تیر ان کی آنکھ کا تیرِ قضا ہوتا نہیں

جب قیامت ہی پہ ہے موقوف ان کا دیکھنا
یہ بھی ہے اک چال، جو محشر بپا ہوتا نہیں

راہ کر اخلاق سے باب محبت کھول دے
خانۂ دل میں کسی کے راستا ہوتا نہیں

قتل ہو کر بھی رہا احسان قاتل دوش پر
اک یہی حق ہے، جو مر کر بھی ادا ہوتا نہیں

سکۂ داغِ جنوں خاصانِ حق کا مال ہے
یہ وہ درہم ہے جو ملکِ ہر گدا ہوتا نہیں

تیر کھانے میں بھی شرط یادِ خطِ سبز ہے
ورنہ زخمِ دل قیامت تک ہرا ہوتا نہیں

دل کے بیڑے کا خدا حافظ ہے بحرِ عشق میں
اک یہی کشتی ہے، جس پہ ناخدا ہوتا نہیں

میرے مرنے کا انہیں شوق تھا گو قتیل
کیا قیامت ہے کہ اب شغلِ حنا ہوتا نہیں

زمینِ شعر ہی دلکش زمیں جہاں میں نہیں — یہی وہ ایک زمیں ہے جو آسماں میں نہیں

فغاں بھی دل کی گئی حسرت و اثر کیا تھا — صدا جرس کی بھی اب میرِ کارواں میں نہیں

جمال، وہ بھی تھا راجمالی، کیا کہنا — مکان کیا، کہ یہ صورت تو لامکاں میں نہیں

ہے امتیازِ بشر، جوہرِ تکلّم سے — زباں ہی وہ نہیں، نطق اگر زباں میں نہیں

شرر بہ جاں ہوں میں اک شعرِ درد کی الفت میں — جبھی ہے آگ کی تہ، مغزِ استخواں میں نہیں

گڑی وہ بات کہ لوہا بھی سن کے پانی ہو — اور اس پہ طرّہ کہ ٹھہری کوئی زباں میں نہیں

جگر کے ساتھ ہی پانی ہے گھل کے دل بھی قتیلؔ
فلک بھی آئے تو ٹھہرے اس امتحاں میں نہیں

و

محمدؐ مصطفٰے تم ہو، حبیبِ کبریا تم ہو — جو بالا فہمِ انساں سے ہو وہ نامِ خدا تم ہو

لباسِ عنصری میں، مظہرِ شانِ خدا تم ہو — قسم اللہ کی آئینۂ وحدت نما تم ہو

تمہیں سے بزمِ ہستی ہے، تمہیں تک بزمِ ہستی ہے — تمہاری ابتدا تم ہو، تمہاری انتہا تم ہو

اک اک کو یاد ہے اب تک وہ میثاقِ ازل شاہا — کہ سب ہیں مقتدی ہی مقتدی اک مقتدا تم ہو

مہ و خورشید ہے، خاکِ کفِ پا کا اک اک ذرّہ — کہ اے نورِ مجسّم، مظہرِ نورِ خدا تم ہو

تمہیں کو ڈوبنے والے نے پایا کشتیٔ دل میں — نہ کوئی ناخدا جس کا ہو اسکے ناخدا تم ہو

شفیعِ حشر کے معنی جو ہم سمجھے تو یہ سمجھے — جو کام آئے مصیبت میں سرِ محشر، شہا تم ہو

تمہیں سے زینتِ سر دفترِ لوحِ معانی ہے — کہ وحی انبیائے سابقیں میں جابجا تم ہو

ہے لوحِ دل پہ نقش رَبِّ ھَبْ لِی اُمّتی اب تک — سر پہ آرائے محشر یا حبیبِ کبریا تم ہو
نویدِ حضرت عیسیٰ، ندائے موسیٰ و یحییٰ — مرے مولا خلیل حضرتِ حق کی دعا تم ہو

قتیلِ بے سر و ساماں پہ بھی چشمِ کرم شاہا
غریبوں کے سہارا، بیکسوں کے آسرا تم ہو

میرا وجود ہی نہ ہو، مجھ سے اگر حجاب ہو — ذرّہ مبتلا ہوں میں، تم اگر آفتاب ہو
رہ کے جہاں میں اس طرح قطع نظر جہاں سے کر — تیری نگاہ میں جہاں ہو بھی اگر تو خواب ہو
اپنی ہی آگ میں جلے عشق میں آئے تب مزا — آتشِ مئے پہ ساقیا خود دلِ مئے کباب ہو
موجِ فنا سے ملتے ہی کشتیٔ عمر غرق تھی — روح نہ جسم میں کہیں بادِ سرِ حباب ہو
وہم سے بھی ہو دور تر نسبت مری نہ پا سکیں — جو نہ سمجھ میں آ سکے ہستی مری وہ خواب ہو
اپنی ہی انجمن سہی جانے ہو کسکی کیسی آنکھ — رحم کرو شباب پر، اتنا نہ بے حجاب ہو

خوب ہو مثلِ غازہ وہ خونِ قتیل اگر ملیں
اس سے تو اور بھی فزوں حسن میں آب و تاب ہو

رکھنا ہے تمہیں کو، رکھو گے تمہیں، کل چاہے رکھو، یا آج رکھو
یا شاہ غلام حسین[۱] مری، جاروب کشی کی لاج رکھو

شاہانِ زمانہ میں ہو شمار، اربابِ نظر میں پائیں جگہ
نعلین مقدس سے اپنی، سر پہ جو ہمارے تاج رکھو

---

[۱] آستانۂ پاک کے پندرہویں سجادہ نشیں

پلٹتے ہوئے دیکھا سبکو ٹکڑوں کو، اس خوان ولایت سے شاہا
میں بھی ہوں اسی ڈیوڑھی کا گدا، مجھ پر بھی نظر بہراج رکھو
تم آل نبیؐ، اولاد علیؓ، تم شاہ بھی ہو، تم ماہ بھی ہو
تم تیغ رکھو، تم راج رکھو، تم تخت رکھو، تم تاج رکھو
پروردہ تمہارے ٹکڑوں کا از بسکہ قتیل زار بھی ہے
اس کو بھی لگائے قدموں سے از بہر شہ معراج رکھو

دم شمشیر سے ٹھنڈک ہے آنکھوں کو سکوں دلکو
دعائے عمر خضری دے رہا ہوں اپنے قاتل کو
جو بڑھ کر رشتۂ تدبیر میں قسمت گرہ ڈالے
تو وا کر ناخن ہمت سے اک اک بند مشکل کو
کوئی راہ طلب میں جب قدم اپنا اٹھاتا ہے
طناب ارض کھنچکر سامنے لاتی ہے منزل کو
ہے غالب گرمجوشی پر بھی پہلو سرد مہری کا
کیا ہے شمع کافوری سے روشن اس نے محفل کو
قتیل بینوا کیسی سبکدوشی ہوئی حاصل
دعا دیتا ہوں میں اللہ بخشے میرے قاتل کو

قیدی زلف، غلط کیا ہے اگر شاد نہ ہو
کیا رہائی کی ہو امید، جو میعاد نہ ہو
لطف کیا، حسن نمک پاش جراحت جو نہیں
بے مزہ عشق، جو منت کش فریاد نہ ہو
مر گئے ذرہ پہ مگر بزم میں پائی نہ جگہ
روح بن کر تن حساد میں آباد نہ ہو
ناتوانی پہ بھی تا عمر رہی روح اسیر
خانۂ جسم کوئی قلعۂ فولاد نہ ہو
ہم سے اڑنے جو لگا آتے ہی انداز شباب
وہ کہیں بھیس میں انساں کے پریزاد نہ ہو

کھینچ ہی لیتا ہے تصویرِ جمالِ معنی
قلمِ اہلِ سخن، خامۂ بہزاد نہ ہو

شعر بہتر سے بھی بہتر نہ کہے کوئی قتیل
معتقد اس کا کبھی حلقۂ حسّاد نہ ہو

عشق میں دونوں ہی بیتاب ہیں جل جانے کو
شمع بھی موم ہوئی دیکھ کے پروانے کو

میکدے میں کبھی نہ بھولا وہ گلابی چہرہ
ساقیا پھول سے بھر دے مرے پیمانے کو

شمع کے بھیس میں جب حسن ہوا جلوہ فروش
عشق پر بن کے اڑا لے گیا پروانے کو

نظرِ مست ملا میری نگاہوں سے کبھی
ساقیا رکھ دے مری آنکھ میں پیمانے کو

آ چکا تا بہ قیامت دلِ وحشی کو قرار
آئی ہے چشمِ سخنگو اسے سمجھانے کو

ایک ہی آگ ہے اور دونوں جلے جاتے ہیں
شمع کا سوز ملا غیب سے پروانے کو

میری آنکھوں میں رہا کرتی ہے چشمِ ساقی
میں نگاہوں میں لئے پھرتا ہوں پیمانے کو

یاد مے دل میں حسینوں کی نگاہیں دل پہ
لے کے اڑ جائیں نہ پریاں کہیں میخانے کو

کیا عجب ہو دلِ صد چاک سر افراز قتیل
زلفِ محبوب میں ملتی ہے جگہ شانے کو

ملتا ہے زورِ پیر کے دم سے جوان کو
اڑتا ہے تیر، کھینچیے جتنا کمان کو

غم ہی رہے جو خانۂ دل میں کچھ رہے
خالی کبھی نہ چاہیئے رکھنا مکان کو

دردِ دلِ حزیں کو نہ گھٹنے دیا کبھی
عزت کے ساتھ ہم نے رکھا میہمان کو

بحرِ فنا میں مٹ کے رہے صورتِ حباب
بھر آنکھ بھی نہ دیکھ سکے ہم جہان کو

بعدِ وصال ہوتی ہے اکثر کشیدگی
کھنچنا پڑا ہے تیر سے مل کر کمان کو

نکلا نہ غم کبھی دلِ ایذا نصیب سے
جانے دیا نہ گھر سے کبھی میہمان کو

دو چار آرہے ہیں، تو دو چار جارہے
پایا نہ کچھ سرا کے سوا اس جہان کو

تربت پہ میری آہی گیا وہ سپہرِ حسن
آخر زمیں نے کھینچ لیا آسمان کو

خنجر جہاں کسی بتِ بیدرد نے لیا
لایا گیا قتیلؔ وہیں امتحان کو

تعلق سے بری پاتا ہوں غم کے کارخانے کو
ضرورت آگ کی ہوتی نہیں دل کے جلانے کو

کبھی حسنِ ازل محتاجِ آرائش نہیں ہوتا
نہیں دیکھا کسی نے گیسوئے سنبل میں شانے کو

تصور پھر ہوا مجھ کو کسی شمشاد قامت کا
دلِ شیدا مجھے پھر لے چلا سولی چڑھانے کو

بجا ہے گر دلِ صد چاک سر افرازِ عالم ہو
حسینانِ جہاں زلفوں میں رکھ لیتے ہیں شانے کو

گُلِ تر کو سمجھتا ہوں قتیلؔ ان کا رخِ خنداں
صدا دل کی سمجھتا ہوں میں بلبل کے ترانے کو

کٹ گیا رُخ پہ تو سمجھے وہ مسلماں مجھ کو
رشتۂ تیغ ہوا رشتۂ ایماں مجھ کو

میکدہ کنجِ الم تھا شبِ ہجراں مجھ کو
گردشِ جام ہوئی گردشِ دوراں مجھ کو

حشر میں خوفِ گنہ سے ہے کلیجہ پانی
یا نبیؐ آپ چھپا لیں تہِ داماں مجھ کو

ہوں میں آزاد مگر نقشِ کفِ پا کی طرح
بن گیا ضعف ہی قفلِ درِ زنداں مجھ کو

زلفِ پُرخم سے جو نکلا وہ گلابی چہرا
ہو گئیں پھول مرے پاؤں کی کڑیاں مجھ کو

حسرت قتل میں کھینچ کھینچ کے گلا گھونٹ دیا
رسنِ دار ہے ایک ایک رگِ جاں مجھکو

کوچۂ یار میں سر تن سے اڑا مثل غبار
جادۂ راہ ہوا خنجر براں مجھکو

کثرت رنج و الم فتح و ظفر کی ہے کلید
بجا داغوں نے کیا رشک گلستاں مجھکو

میں بھی فیضان سخن سے متمتع ہوں قتیل
کہیں مل جائے اگر میر کا دیواں مجھکو

لب بام آفتاب عمر فانی دیکھتے جاؤ
تہ خنجر مری شام جوانی دیکھتے جاؤ

جنہیں کل تک کسی سے بات کرنا بھی نہ آتی تھی
انہیں کی آج مجھ سے لن ترانی دیکھتے جاؤ

بہت کہتے تھے تم آسان ہے فرقت میں غم کھانا
کلیجہ ہو گیا گھل گھل کے پانی دیکھتے جاؤ

اکڑتے تھے جو کل حسرت بھری یہ قبر انہیں کی ہے
جو آنکھیں ہوں مآل زندگانی دیکھتے جاؤ

دل سوزاں کے ٹکڑے بھی قتیل آتے ہیں اشکوں میں
نکلتے ہیں بہم یوں آگ پانی دیکھتے جاؤ

فرہاد کا فسانہ مرا ماجرا نہ ہو
ہلکا جو پیٹ کا ہو مرا آشنا نہ ہو

ہے سیر دو جہاں سے اک اک گشتۂ ادا
پھل تیغ کا شہید کو تیرے ملا نہ ہو

طے ہو سکے نہ کشمکش دوش و سر کبھی
دونوں کے درمیان جو خنجر ترا نہ ہو

رہ رہ کے یاد موئے مژہ دیکھ تو مسیح
دل میں مریض کے کوئی کانٹا چبھا نہ ہو

آتا ہے آسماں جو نظر زیر آسماں
اونچا مرا غبار زمیں سے ہوا نہ ہو

جس پر نقاب بن گئی جبریل کی جبیں
اللہ کے حبیب کا وہ نقش پا نہ ہو

آزاد ہیں ازل سے سبکرو جہاں میں — صیاد، اسیر طائرِ رنگِ حنا نہو
قاتل کے پاؤں پر نہ گرے کٹ کے سر اگر — کعبہ بھی سامنے ہو تو سجدہ ادا نہو
راہِ طلب میں دیدۂ عبرت ہیں نقشِ پا — گھوڑے سے شہسوار کوئی گر گیا نہو
اشکوں سے اپنے آتی ہے رہ رہ کے بوئے درد — خونِ جگر فراق میں پانی ہوا نہو

رنگِ وزیر و بندشِ ناسخ ہوائے قتیل
سکّہ وہاں چلاؤں، جہاں چل سکا نہو

حسنِ ازل، جمالِ رخِ حق نما نہو — فردوس میرے یار کی دولت سرا نہو
جس دل پہ دیکھیے نظر آتا ہے اس کا داغ — وہ پیکرِ جمال، جہاں آشنا نہو
جھپکی پلک کہ ملکِ عدم تھا نگاہ میں — شبدیزِ زندگی کہیں سرپٹ ہوا نہو
بختِ سیاہ پر بھی ہے ان آنکھوں میں جگہ — راہِ وفا میں خاک مری سرمہ سا نہو
افتادگی نے نقشِ کفِ پا بنا دیا — ایسا کوئی گلی میں تمہاری پسا نہو
کھنچ کھنچ کے بعدِ مرگ جو آنے لگے حسیں — سنگِ لحد پہ نقشِ محبت لکھا نہو
چہرے سے میرے حالِ دروں آئینہ ہوا — یارب شکستِ رنگ میں دل کی صدا نہو
ہوتا نہیں ہے خضر سے طے عرصۂ حیات — عمرِ گریز پا، کہیں شکستہ پا نہو

ان کو تو لطف آ گیا مشقِ خرام کا
اور ہم ڈرے قتیل کہ محشر بپا نہو

ہلالِ عید منکر حسن بخشا چرخِ گرداں کو — اڑا کر لے گئی وحشت کہاں چاکِ گریباں کو

فقط اپنا وطن ہی باعثِ عزت ہے انساں کو — کہ جب تک ہے دہن میں ہر شرف حاصل ہے دنداں کو

کوئی اربابِ رفعت کو ضرر پہنچا نہیں سکتا — ہوا گُل کر نہیں سکتی چراغِ ماہِ تاباں کو

وطن کو چھوڑ کر کیوں خاک میں انسان مل جائے — زمیں میں دفن اکثر کرتے ہیں شکستہ دنداں کو

ہنسی بھی اہلِ غم کی باعثِ تکلیف ہوتی ہے — کہ اکثر ٹانکے دیتے ہیں دہانِ زخمِ خنداں کو

سلامت تیغِ ابرو، سلسلہ کٹتا ہے زخموں کا — سیو زخمِ جگر چارہ گرو، یا زخمِ دل ٹانکو

کسی کے حسن پر برباد ہونا سرفرازی ہے — ذرا چشمِ حقیقت بیں سے دیکھے کوئی افشاں کو

بہت دشوار ہے حاصل مسرت بے جراحت ہو — یہی کہتے سنا اکثر دہانِ زخمِ خنداں کو

قتیل اس درجہ دل میں اپنے ارمانِ شہادت ہے
لگائے ہوں گلے سے اپنے شمشیرِ گریباں کو

ملی جاگیرِ تحت و فوق ازل میں اہلِ سودا کو — بسایا کوہکن نے کوہ کو، مجنوں نے صحرا کو

تصورِ ہجر میں پہنچائے گا بامِ محبت تک — بناؤں گا کمندِ عشق، فکرِ عرش پیما کو

جمالِ لم یزل حسنِ بتاں میں کارفرما ہے — نگاہیں دیکھتی ہیں ڈوب کے قطرے میں دریا کو

چمکتے ہیں ستاروں کی طرح خونِ کفِ پا سے — بنا ڈالا زمیں سے آسماں ذرّوں نے صحرا کو

بُرا ہو یا بھلا جیسا بھی ہو آخر تمہارا ہے
قتیلِ بینوا کو تم نے پہچانا نہ سودا کو!

شبِ غم گھٹ کے رہ نالوں کو یہ قیدِ مکاں کیوں ہو — زمیں کیوں ہو اڑے او قلبِ مضطر آسماں کیوں ہو

یہاں تو رونقِ ہستی ہے موقوف اُس تبسم پر — جو نذرِ برق ہو وہ میری شاخِ آشیاں کیوں ہو

دلِ پامال سرمہ ہے نظر میں حسن والوں کی
تری آنکھوں کا مارا پس کے گردِ کارواں کیوں ہو

ادب اے ضبط، سوزِ قلب میں یہ آہ کیا معنی
جو روشن گھر میں ہو اُس آگ کا باہر دھواں کیوں ہو

جو قبر کوہکن تک جذبِ صادق کھینچ کر لایا
یہ شیریں نے کہا محنت کسی کی رائیگاں کیوں ہو

یہ کیا کرتا ہے قاتل، راز خود سے فاش کرتا ہے
یہ اتنے اہلِ دل میں صرف میرا امتحاں کیوں ہو

ہیں بیٹھے پاؤں اپنے توڑ کر ہم عشقِ ابرو میں
جو منہ تیغ آجائے بھی گردن تک رواں کیوں ہو

ہزاروں دل تھے لیکن میرے دل میں اُنکا تیر آیا
جو میرا میہماں ہے، دوسرے کا میہماں کیوں ہو

قتیلؔ ارماں کہاں، جب دل ہی پہلو میں نہیں باقی
گلستاں ہی جو ہو معدوم، شاخِ آشیاں کیوں ہو

جامِ جمشید بھی ہے، چشمِ جلالی مجھکو
ہجر میں عید نظر آتی ہے خالی مجھکو

نارِ نمرود سے فرقت میں نہیں کم گلشن
پھلجھڑی باغ میں پھولوں کی ہے ڈالی مجھکو

ہے تصورِ آنکھ کا یا زلف میں ہے چہرۂ یار
چاندنی آج نظر آتی ہے کالی مجھکو

مے پرستی میں بھی اللہ رے عالی ظرفی
ماہ و خورشید نظر آتے ہیں پیالی مجھکو

وعدۂ حشر، شبِ ہجر ہوئی بزمِ نشاط
صورِ محشر ہوئی آواز میں تالی مجھکو

جنبشِ دستِ حنائی سے کٹا جاتا ہوں
جوہرِ تیغ ہے انگشت کی لالی مجھکو

مار ڈالا مجھے انگڑائی نے قاتل کی قتیلؔ
کھینچ کے خود ہو گیا وہ تیغ ہلالی مجھکو

بہزاد فرق ان میں، کہیں بال بھر نہ ہو
تصویر ایسی کھینچ کہ جس میں کمر نہ ہو

دل ہر تڑپ پہ اور بھی زیر و زبر نہ ہو — یارب، قفس نصیب اگر ہو تو پر نہ ہو

بے چاند اندھیری رات میں چھٹکی ہو چاندنی — بے پردہ بام پہ کہیں وہ سیمبر نہ ہو

گردش ہے گر یہی تری چشم سیاہ کی — ڈر ہے کہ آسماں کہیں زیر و زبر نہ ہو

سارے جہان کی ہے خبر اس حسین کو — یہ بات اور ہے کہ ہماری خبر نہ ہو

تیریں ہمیشہ قلزم الفت میں جاں نثار — تلوار سے کبھی تیری خالی کمر نہ ہو

گریئے میں ہو جو خندۂ دنداں نما کی یاد — ممکن نہیں کہ اشک گرے اور گہر نہ ہو

اس دور یاس میں وہ جراحت نصیب ہوں — مرہم تو کیا نمک بھی مرے زخم پر نہ ہو

سمجھے نہ آشیاں وہ قفس کو تو کیا کرے — طائر اگر اسیر ہو اور اس کے پر نہ ہو

ابرو کھنچے تو کیا جو وہ آنکھیں نہ اٹھ سکیں — بے فائدہ کمان ہے، ناوک اگر نہ ہو

حاصل ہوا یہ اب مجھے کچھ کھو کے اے قتیل
انساں پڑھے پڑھے نہ پڑھے، بے ہنر نہ ہو

تصور نے اتارا دل میں انکے روئے روشن کو — چراغ برق نے روشن کیا میرے نشیمن کو

شمیم زلف عنبر بو کا اے گل تیرے کیا کہنا — کہ خط فتنہ کہتے ہیں ترے پاؤں کے دھوون کو

کبھی رنگیں مزاج احساں نہیں لیتے ہیں اوچھوں کا — خدا نے پاک رکھا ہے، رفو سے گل کے دامن کو

بہت دشوار ہے اعلیٰ کو ادنیٰ سے ضرر پہنچے — نہیں پاتی ہے بجلی دانۂ انجم کے خرمن کو

غم ناجنس میں بھی اہل ظرف آنسو بہاتے ہیں — جو آنکھیں ہوں تو دیکھے کوئی میری شمع مدفن کو

خدا والوں کا لوہا، سنگ دل بھی مان جاتے ہیں — کف داؤد میں ہونا پڑا ہے موم آہن کو

بڑوں کو بھی بنا دیتی ہے اچھا صحبتِ اعلیٰ ۔۔۔ جگہ ملتی ہے اکثر فیضِ گل سے سر میں روغن کو
ملاتے ہیں جو ذرّوں کو وہ سرافرازِ عالم ہیں ۔۔۔ دکھا کرتا ہے ہر خیاط اپنے سر پہ سوزن کو

قتیل اعجازِ عشقِ بت یہ بعدِ مرگ بھی دیکھا
برہمن پوجتے ہیں آ کے میرے سنگِ مدفن کو

جلوہ گر مقتل میں گر وہ ترکِ گل رخسار ہو ۔۔۔ کھیت کشتوں کا بہارِ حسن سے گلزار ہو
کشتیِ مے لیکے ساقی ہے سوئے ساحل رواں ۔۔۔ کیا عجب ہم میکشوں کا آج بیڑا پار ہو
چشمِ نامحرم کجا اور چہرۂ جاناں کجا ۔۔۔ ہے بجا گر کور چشمِ روزنِ دیوار ہو
تو اگر پہنے تو اے گل رو شمیمِ جسم سے ۔۔۔ ہار موتی کا گلے میں موتیا کا ہار ہو
بحر ساقی بزم میں جلوہ دکھائے رزم کا ۔۔۔ میکشوں کو موجِ مے، تیغِ قضا کی دھار ہو
ہر قدم اس طرح کرتے ہو جو تم اک قتلِ عام ۔۔۔ آدمی ہو یا کوئی چلتی ہوئی تلوار ہو

گر جنیوے کا لگائے ہاتھ وہ ترک اے قتیل
تیغ کا ڈورا لپیٹ کر جسم سے زنّار ہو

ق

کیا کیا وہاں ہوا نہ دلِ بینوا کے ساتھ ۔۔۔ اک اک حسینؑ ہوتا ہے ہر کربلا کے ساتھ
اک عمر جاوداں ہے شہیدِ وفا کے ساتھ ۔۔۔ دیکھا نہیں فنا کو ہمیشہ بقا کے ساتھ
اوروں کے ساتھ اور رہیں گے بروزِ حشر ۔۔۔ لیکن قتیل ہم شرفؒ اولیا کے ساتھ
دامن ہمارے گوہرِ مقصد سے بھر گئے ۔۔۔ دیکھا جو اس نے خندۂ دنداں نما کے ساتھ

اپنا بھی ہے لگاؤ قتیلؔ وفا شعار
روحی فداہ سیدنا بوالعلاؓ کے ساتھ

ہے صفائے نور سے ہر عضو قاتل آئینہ — عکس روئے پرضیا سے حسن منزل آئینہ
اف ری غیرت اس مہِ کامل کی اللہ رے حجاب — دیکھتا ہے عید کے دن بھی بمشکل آئینہ
ہاتھ میں تیغ دودم، ابرو کھنچے، تیور میں بل — عکس قاتل سے ہوا ہمشکل قاتل آئینہ
ہم اسی میں دیکھتے ہیں دونوں عالم کا جمال — اپنے دل کے سامنے ہے نقش باطل آئینہ

دیکھ کر میرا دلِ صد پارہ وہ بولے قتیلؔ
ہم یہی لیں گے یہی ہے میرے قابل آئینہ

پیارے ہیں یہ اللہ کے پیاروں کی طرف دیکھ — اک دن تو شہیدوں کے مزاروں کی طرف دیکھ
کیا تابشِ افشاں گہر بار ہے قاتل — پانی ہوئے جاتے ہیں ستاروں کی طرف دیکھ
ساحل کے مزے موجِ حوادث میں نہاں ہیں — دریا میں ذرا آ کے کناروں کی طرف دیکھ
پہچان تو تیری بھی کہیں اس میں جگہ ہے — آ شہرِ خموشاں میں مزاروں کی طرف دیکھ
ہو خاک رہِ عجز، جو مقصود ہو رفعت — باور نہ اگر آئے غباروں کی طرف دیکھ
نخوت سے نہ تھے پاؤں بھی رکھتے جو زمیں پر — آنکھیں ہیں تو آج ان کے مزاروں کی طرف دیکھ
دم توڑتے ہیں در پہ اسیرانِ محبت — اک بار تو تقدیر کے ماروں کی طرف دیکھ
صحرا میں بھی ہوتی نہیں دیوانوں کی عزت — انگلی ہی اٹھا کرتی ہے خاروں کی طرف دیکھ
اتنا نہ ہو مغرور قتیلؔ اپنی خبر لے — آ گورِ غریباں میں مزاروں کی طرف دیکھ

زینہ عروج کا ہے جو سہہ لے جفا کے ہاتھ — پہنچے ہیں کوہ طور پہ موسیٰ جلا کے ہاتھ

وہ دل غنی ہے، دے جو کسی کو چھپا کے ہاتھ — میں جانوں دستِ غیب کے معنی خدا کے ہاتھ

اللہ ری زلفِ یار کی سج دھج وہ فتنہ گر — مشاطۂ ازل کے بھی ہیں کس بلا کے ہاتھ

ساعت یہ وصل کی وہ منجم سے جچتیں — دق کر دیا غریب کو ہم نے دکھا کے ہاتھ

زینہ عروج کا ہے جہاں میں فروتنی — نیچے کبھی نہ دیکھے کسی نے دعا کے ہاتھ

کوچہ بتوں کا جادۂ شمشیر ہی سہی — آیا ہوں میں بھی جان سے اپنی اٹھا کے ہاتھ

اظہارِ احتیاج ہے غازہ جمال کا — اپنے ہی منہ پہ آتے ہیں اپنی دعا کے ہاتھ

بنتِ عنب بھی ایک ہی مردم شناس ہے — اب تک نہ لگ سکی یہ کسی پارسا کے ہاتھ

ہر زخم پھول، آہِ سحر دم سے ہے قتیلؔ
اب تو ریاضِ دل کی ہے لالی صبا کے ہاتھ

ی

تو قتیلؔ اپنا علاج کر، ترے نفس کا یہ غرور ہے
یہ زبان اور اس پہ یہ حمدِ رب، یہ تمیز ہے، یہ شعور ہے؟

نہ زمیں کا خاص وجود ہے، نہ فلک کی اصل بنا کوئی
یہ ظہورِ کون و مکاں فقط، ترے لفظِ کُن کا ظہور ہے

نہ مرا گناہ گناہ ہے، نہ ثواب میرا ہے سعی کوئی
کہ تو بے نیاز ہے اے خدا، تو کبیر ہے، تو غفور ہے

وہ نگاہ خیرہ و بے بصر، وہ مقام خاص رگِ گلو
جو قریب سمجھے قریب ہے، کوئی دور سمجھے تو دور ہے

کوئی نقش آئے تو آئے کیا، کوئی عکس خاص دکھائے کیا
مرا شیشۂ دل مبتلا، ترے سنگ ہجر سے چور ہے

ترے مبتلا کا وجود خود ہے غبار مطلع آئینہ
ہے جو عنصر اپنے قیام کا، وہ حجاب چہرۂ نور ہے

جو ہراس روز قیام ہو، جو ہو فکر تمغۂ مخلصی
ترے آستاں سے لگی رہے، یہ جبیں کے حق میں غرور ہے

ترے کُنہہ تک ہو کبھی رسا، ترے رمز تک کبھی دسترس
نہ یہ علم ہی کو تمیز ہے، نہ یہ عقل ہی کو شعور ہے

کوئی آنکھ فیضِ عمیم کی، کوئی بات لطفِ قدیم کی
یہ قتیل خستہ و بینوا، سر بارگاہِ حضور ہے

وہ رخ آئینۂ وحدت نما معلوم ہوتا ہے
نبی کو دیکھتا ہوں اور خدا معلوم ہوتا ہے

وجود ان کا ہے یا میزان حسن و قبح ہستی کی
اسی معیار پر کھوٹا کھرا معلوم ہوتا ہے

قدم رکھتے ہی اس کوچے میں کندن ہو گیا ذرہ
غبار ارضِ طیبہ کیمیا معلوم ہوتا ہے

کلاہِ بادشاہت ہی، تری نعلین کا صدقہ
شہنشاہِ جہاں تیرا گدا معلوم ہوتا ہے

سراپا اسکی صورت کر دیا صورت پرستی نے
مجاز اپنا حقیقت آشنا معلوم ہوتا ہے

خدا کو دیکھنا ہو تو نبیؐ کی ذات میں دیکھو
یہی مظہر ہے وہ جس میں خدا معلوم ہوتا ہے

قتیلؔ ان کی عنایت سے مرے دل کے خرابے میں
نہاں گنجینۂ ارض و سما معلوم ہوتا ہے

جو الٹی ہے نقاب اس گلبدن نے روئے روشن سے
مثالِ ہوشِ عاشق رنگ اڑا جاتا ہے گلشن سے

شبیہیں گلرخوں کی دیکھکر صرف ان کو جیتا ہوں
مری شمعِ بقا روشن ہے تصویروں کے روغن سے

نگاہِ غیر سے خلوت میں بھی اُن کو جو شرم آئی
اُڑا مرغِ بصارت آشیانِ چشم روزن سے

دلیلِ افلاس کی ہے عشق کے سائے میں آ جانا
گرایا زر گلوں نے آخر کار اپنے دامن سے

یہ تو ہے اے گلِ تر یا بہارِ نو مجسم ہے
یہ کلیاں کھل پڑیں یا گل ہیں لپٹے تیرے دامن سے

یہ حسن و عشق اے جانِ چمن تیرے ہی جلوے ہیں
کہ بلبل گل سے لپٹی، گل ہیں لپٹے تیرے دامن سے

قتیلؔ آساں نہیں خونی جگر سے نوک کی لینا
کہ قربِ گل پہ بھی الجھا نہ کوئی خار دامن سے

راز میخانہ فسانہ بن کے طشت از بام ہے
پیٹ کا ہلکا اک اک شیشہ ہے منہ پھٹ جام ہے

جزر و مدِ زیست، پلکِ چشم صبح و شام ہے
توسنِ عمر گریزاں، ابلقِ ایام ہے

آج ساقی بزم میں اک ترک گل اندام ہے
پھول سے لبریز میخانے میں اک اک جام ہے

آنکھ سے آنکھیں ملیں اور دل کا تھا قصہ تمام
کس جگہ آغاز ہے قاتل، کہاں انجام ہے

جوہرِ تہذیب سے محبوب انساں ہے ملک
آدمیت اصل میں شائستگی کا نام ہے

عشق اور کمسن کا عشق آئے کہاں سے پختگی
بے اثر شیون، فغاں کمزور، نالہ خام ہے

زیبِ تن ہو کر اُترتا ہی نہیں تا روزِ حشر — مرنے والے کا کفن بھی جامۂ احرام ہے
پردۂ معنی میں نقشِ مصحفِ رخ پر کھنچ گیا — رشحۂ جبریل ہے، جو شعر بے الہام ہے

چونک غفلت سے، خدا کو مان، توبہ کر قتیل
دم بدم حملہ مرض کا موت کا پیغام ہے

گُل کھلے ہیں جابجا خونِ تنِ نخچیر سے — پھول کچھ بکھرے ہیں گر کر دامنِ شمشیر سے
بچ کے نکلے گیا کوئی چشمِ بتِ بے پیر سے — تیر سے پرواز لے، رفتار لے شمشیر سے
آسماں والوں پہ بھی ہے، دھاک لوہے کی مرے — اُنگلیوں سے رہ گیا ہے، جو نہ ہو شمشیر سے
دل میں سیدھی ہو گئی پیوست اسکی کج نگاہ — کام قاتل نے لیا ہے تیر کا شمشیر سے
جھک کے ملتے تھے کبھی یا کھنچ کے اب آنے لگے — دو ہی دن میں آپ پیکاں ہو گئے شمشیر سے
چھد گیا مژگاں سے دل، ابرو سے گر ایمن رہا — تیر کا حصہ ہوا، گر بچ گیا شمشیر سے
زندۂ جاوید ہے عالم میں کشتوں کا لقب — چشمۂ حیواں اُبلتا ہے تری شمشیر سے
راست ہو یا کج رہو، خوں ریز ہی ٹھہرو گے تم — دے سناں کا کام خم نکلے اگر شمشیر سے

جانتے ہیں اہلِ فن میرا تخلص ہے قتیل
ابتدا ہی سے ہے اک نسبت مجھے شمشیر سے

عشق رکھتا ہوں میں ابروئے بتِ بے پیر سے — سینچتا ہوں نخلِ جاں آبِ دمِ شمشیر سے
کٹ گئے دل میں عدو، قاتل تری تقریر سے — کاٹ میں تیری زباں بھی کم نہیں شمشیر سے
ہوش آتے ہی میں ان کے ابروؤں کا تھا شکار — پہلی ہی منزل میں قسمت لڑ گئی شمشیر سے

مر گیا میں نیم جاں ابروئے قاتل دیکھ کر / جو کمی تھی موت میں پوری ہوئی شمشیر سے
پیش خیمۂ قتل کا ہو گی مری روشن جبیں / لوح قسمت نے چمک لی ہے تری شمشیر سے
ابروئے پُر خم سے کم قاتل نہیں چشم سیاہ / تولتا ہوں میں نگاہوں کو تری شمشیر سے

کشتۂ ابروئے پیوستہ جو ہوں میں اے قتیلؔ
قطع کرتا ہے کفن قاتل مرا شمشیر سے

غیرت فردوس محفل ہو گئی تنویر سے / خود شرماتی ہے میرے یار کی تصویر سے
اس خموشی پر بھی اللہ ری تکلّم ریزیاں / نطق اے قاتل ٹپکتا ہے تری تصویر سے
زلف برہم سے بڑھیں کچھ اور دل کی گتھیاں / اور مشکل میں ہوں اس الجھی ہوئی زنجیر سے
محضر قتل اُس طرف، تقدیر میں قتل اس طرف / مل گیا قسمت کا لکھّا یار کی تحریر سے

کوچۂ گیسو میں کھو کر کیا کوئی نکلے قتیلؔ
عمر بھر نکلا نہ مجنوں حلقۂ زنجیر سے

حجاب، مظہر انوار لن ترانی ہے / نقاب، شعبدۂ عالم جوانی ہے
بچے گا خاک نشیب و فراز دہر میں دل / کہ پُر ہے تیر میں، شمشیر میں روانی ہے
ہوائے موج حوادث ہے یا پیام قضا / حباب بحر کہ تصویر زندگانی ہے
ٹپک رہی ہے نظر سے شباب کی مستی / تمہاری آنکھ ہے، یا ساغر جوانی ہے
نہ خط سبز پہ کھایا ہو زہر عاشق نے / کہ رنگ جسم کا مرنے کے بعد دھانی ہے
خیال گیسو و رخ میں گزر چلا ہے شباب / یہ دھوپ چھاؤں ہے اللہ یا جوانی ہے

شب وصال وہ اللہ ری مے کی رنگینی — کہ آج رات تو پانی بھی ارغوانی ہے

یہ انتہائے تناسب ہے اے سپہر جمال — کہ داغ بھی مرے پہلو کا آسمانی ہے

ہوئی شباب میں تم کو نہ حیف شباب کی قدر

نواب قتیلؔ عبث حسرتِ جوانی ہے

دیکھی جو شانِ خطِ رخ لاجواب کی — تحریر مٹ گئی ورقِ آفتاب کی

ہے جام میں شبیہ رخِ بے نقاب کی — تصویر آفتاب میں ہے آفتاب کی

منظور ہو جو سیر تماشائے روزگار — عینک فنا کی چاہیئے آنکھیں حباب کی

آہوں کے ساتھ اشک کا ہونا ضرور ہے — پانی ہے فلسفے میں حقیقت سحاب کی

نکلی ضیائے شمع رخِ یار پھوٹ کر — فانوس بن گئی ہے اِک اِک تہ نقاب کی

ممکن نہیں جہان میں باریک بیں کو امن — سرمے کے ساتھ پستی ہیں آنکھیں عقاب کی

ہے جلوہ گاہ حسن مرے دل کا آبلہ — مٹھی میں ایک بحر نہاں ہے حباب کی

مارا ہوا ہے گردش چشم نگار کا — گردش نہ ہوگی ختم کبھی آفتاب کی

گردش ہے چشم مست کو جوشِ شباب میں — ساقی بھنور میں پڑ گئی کشتی شراب کی

حیرت نے ان کے سامنے تصویر کر دیا — جرأت سوال کی ہے نہ طاقت جواب کی

پڑھ اے قتیلؔ سورۂ واللیل والضحیٰ

تفسیر ہے یہ زلف و رخِ بوترابؓ کی

ازل سے دجلہ بار غم تھی چشم خونفشاں میری — ہے اب دریا بہ دامن کشتی عمر رواں میری

دُر آویزۂ گوشِ ملائک ہے فغاں میری — فلک پر پھولتی ہے اندنوں تیغِ زباں میری

یہ کوئی خنجرِ خارا شکن ہے یا زباں میری — کلیجہ پھٹ گیا ناقوس کا سنکر فغاں میری

یگانے بھی برے وقتوں میں ہو جاتے ہیں بیگانے — دمِ آخر پھری جاتی ہیں مجھ سے پتلیاں میری

امینِ رازِ گنجِ کشورِ باطن ہے دل میرا — کلیدِ قفلِ اسرارِ معانی ہے زباں میری

کرے کچھ کام بھی گر کچھ خیالِ کامیابی ہے — نکمّی ہو کے یارب قوم کیا ہو کامراں میری

سبق لینے تھے جو مجھ سے ہمیشہ پردہ داری کا — خدا کی شان اڑاتے ہیں وہی اب دھجیاں میری

رفاقت پر بھی آوازِ جرس کی طرح آگے ہوں — تجھے بڑھنے نہ دیگی ہمرہی اے کارواں میری

قتیلؔ خوشنوا میں نغمہ سنجِ شاخِ طوبیٰ ہوں

بہت مشکل ہے بلبل لے اڑے طرزِ فغاں میری

اکسیرِ غبارِ رہِ شاہِ مدنی ہے — اور چشمِ کرم، شارحِ اللہ غنی ہے

بیکار حشم، تختِ عبث، ہیچ حکومت — خاقان ہے، سلطان ہے، دل جس کا غنی ہے

کہتے ہیں یہی ابروئے خمدار کے تیور — جو سامنے آجائے وہ گردن زدنی ہے

قابو میں زباں ہو، کہ ہو قابو میں زباں کے — انساں ہے وہی قول کا اپنے جو دھنی ہے

کندہ ہے قتیلؔ اس پہ بجا نقشِ محبت

قاشِ دلِ مجروح عقیقِ یمنی ہے

زیرِ ابرو دیکھ گردش چشمِ مستِ یار کی — کشتیٔ مے چل رہی ہے باڑھ میں تلوار کی

دشمنوں کو بھی کیا کرتے ہیں سیراب اہلِ درد — آبلوں کے دل میں رہتی ہیں زبانیں خار کی

اہلِ حیرت فیض پہنچائیں کسی کو کیا مجال
لب تو ہیں تصویر کے، طاقت نہیں گفتار کی

پاک ہیں ہر سرد و گرم دہر سے نازک مزاج
آج تک آئیں نہ آنکھیں نرگسِ بیمار کی

غیب سے خلوت نشینوں کے ہے پردے کا لحاظ
ہیں ازل سے کور آنکھیں روزنِ دیوار کی

ناطقہ ظالم کا اہلِ درد سے ہوتا ہے بند
لال ہو جاتی ہے زخموں سے زباں سوفار کی

کوئی بیمارِ ازل اچھا نہیں ہوتا قتیلؔ
ہو سکیں روشن نہ آنکھیں روزنِ دیوار کی

خاک پس کر جو ترے در پہ بشر ہوتا ہے
سرمۂ دیدۂ اربابِ نظر ہوتا ہے

آسماں ایک نوالہ ہے زمیں کے منہ کا
لقمۂ گور، محبت میں بشر ہوتا ہے

توسنِ عمر سے اترا بھی تو مردہ ہو کر
کیا بتائے کوئی کیا رنجِ سفر ہوتا ہے

ہو جو صد چاک دلِ زار، ملے مقصدِ عشق
پھول کھل لیتا ہے، پہلے تو ثمر ہوتا ہے

نامناسب جو کوئی طرح نکلتی ہے قتیلؔ
شعر ہونے کو تو ہوتا ہے، لچر ہوتا ہے

آنے دیئے نہ داغ بھی گرد و غبار کے
سوئے لحد میں جامۂ ہستی اتار کے

اللہ رے اختصارِ شبابِ گریز پا
گنتی کے جیسے دن ہوں چمن میں بہار کے

کھل کھل پڑی ہے دامنِ گل کی کلی کلی
غنچوں کی جیب میں ہیں شگوفے بہار کے

پھر جاتی ہے نظر میں دورنگی جہان کی
پھولوں کو دیکھتا ہوں جو پہلو میں خار کے

فیضِ رخِ طلائی سے پھولوں میں بٹ گئے
کچھ زر جو بچ رہے، ترے صدقے اتار کے

اللہ رے بانکپن کہ ہوئی کھنچ کے تیغ تیز
بہزاد کٹ گیا تری تصویر اتار کے

داغِ دلِ حزیں ہے سرِ قبر گل فشاں
یا پھول اڑ رہے ہیں، چراغِ مزار کے

اللہ ری شمیمِ بہارِ جمالِ دوست
گل کی طرح مہکتے ہیں موتی بھی ہار کے

پھرنے لگی نگاہ میں شکلِ اجل قتیلؔ
اللہ رے جوہر آئینۂ تیغِ یار کے

آنسوؤں کے ساتھ یوں لختِ دلِ مضطر چلے
ساتھ اپنی فوج کے جیسے کوئی افسر چلے

سرخ ڈورے، مست چتون، کیف میں ڈوبی ادا
گردشِ چشمِ سیہ، جیسے کوئی پی کر چلے

اف رے وہ اندازِ سحر دیدۂ مردم فریب
ہم تو انساں ہیں، یہ جادو تو فرشتوں پر چلے

لاکھ جمعیت برنگِ غنچہ گو رکھتے تھے ہم
صورتِ گل آخر اس گلزار سے منتشر چلے

گامزن گھر سے نکل کر یوں ہوا وہ کج ادا
میان سے باہر نکل کر جس طرح خنجر چلے

چشم و ابرو کا ترے میں شیفتہ ہوں ساقیا
کچھ تو چلنا چاہیے، ساغر نہیں، خنجر چلے

دیکھنے آئے تھے تم تو عالمِ نزعِ قتیلؔ
کیا ہوا، کیوں جانِ من، آتے ہی گھبرا کر چلے

ابرو پہ اُن کے مجھ سے جو تقریر ہو گئی
میری زباں رقیب کو شمشیر ہو گئی

اب تک دہن کا ان کے معمّا نہ حل ہوا
یہ چیستاں بھی عقدۂ تقدیر ہو گئی

جس جس پہ جا پڑی اسے غرقِ فنا کیا
تیری نظر بھی جنبشِ شمشیر ہو گئی

رنگِ طلائی ان کا جو معجز نما ہوا
کشتوں کی خاک روکشِ اکسیر ہو گئی

جب سے قتیلؔ ابروئے پرخم کی یاد ہے
ہر قاش دل کی ہدیۂ شمشیر ہو گئی

ہوا خونِ جگر ضبطِ فغاں سے
لہو ٹپکا ہے شاخِ آشیاں سے

گزر دشوار ہے حدِ مکاں سے
نظر ٹکرا رہی ہے آسماں سے

نہیں نکلی ہمیشہ ان کی ہاں سے
کبھی سیدھے نہیں قسمت کے پانسے

کہوں لب کو جو ان کے قندِ پارس
ٹپک پڑتی ہے شیرینی بیاں سے

زمیں صیاد کی، بجلی کا گردوں
کہاں جاؤں نکل کر آشیاں سے

پشیمانی بنا منہ سے نکل کر
کہا جو رازِ دل کا رازداں سے

قتیلؔ ایسا ہے تیروں کا سہارا
بدن میں جیسے قوت استخواں سے

کیا کرامت ہے یہ تیرے دیدۂ مخمور کی
مے کھنچی مینائے دل میں زخم کے انگور کی

سرد مہری گرمجوشی میں بھی ہے اس حور کی
شمع جلواتا ہے اپنی بزم میں کافور کی

حق بھی دنیا میں کوئی بولے تو کس امید پر
قدر ظاہر ہے جو دنیا میں ہوئی منصور کی

اک قلم مے کی ہو ساقی، اک ورق نرگس کا ہو
تب کہیں تصویر اترے دیدۂ مخمور کی

آسماں کو بھی زمیں کے سامنے جھکنا پڑا
خاکساروں سے کبھی چلتی نہیں مغرور کی

زندگی موقوف ہے اپنی حواسِ خمسہ پر
کشورِ ہستی ہے گویا سلطنت جمہور کی

پرتوِ عارض سے تیرے اے مہِ اوجِ شرف
رات کو معلوم ہوتی ہے زمیں بلور کی

مالِ موذی لوٹ کر کھانا ہمیشہ ہے روا
لوٹیے بے خوف، دولت خانۂ زنبور کی

مشک کھنچوائے کہ پھانسی پر چڑھائے اے قتیل
دیکھیے کرتی ہے کیا الجھن دلِ مجبور کی

چشمِ ساقی، جانِ خلد و کیفِ میخانہ لیے
حور، حوروں میں ہو، پیمانوں میں پیمانہ لیے

زیرِ سر اے کاش سنگِ بابِ میخانہ لیے
دم لبوں پر، سامنے آنکھوں کے پیمانہ لیے

وصل کی شب، رشکِ جنت، میرا کاشانہ لیے
شمع خود وہ حور پیکر، شمع پروانہ لیے

کیا دلِ برباد کو داغوں نے جنت کر دیا
مدعا آباد ہونا ہو تو ویرانہ لیے

ہوش میں آتے نہیں، سرشارِ چشمِ مست کے
کہلہ و دیوانہ جیسے، ساغرِ دیوانہ لیے

ناصحِ مشفق! یہ کالی رات اور ان زلفوں کی یاد
دل مرا گھبرا رہا ہے، کوئی افسانہ لیے

کیف آنکھوں کا تری جنت کو بھی حاصل نہیں
واں بھی مستانہ ترا، تیرا ہی مستانہ لیے

سوزِ اول ہی حقیقت میں ہے شعلہ عشق کا
شمع جب تک خود ہو جلتی، ساتھ پروانہ لیے

چاک میں ہے دل کے حسن و عشق کا سنگم نہاں
زلف شانے میں لیے، یا زلف میں شانہ لیے

عقل ننگِ عشق ہے، احساس ہے ننگِ جنوں
خیر دیوانہ اسی میں ہے کہ دیوانہ لیے

جام ہی میکش چڑھا لے اپنی تربت پر قتیل
ہم جو دائم زلہ خوارِ پیرِ میخانہ لیے

ہمارے دل میں مضمونِ جمالِ یار آتا ہے
فرشتہ بامِ گردوں سے حرم میں وحی لاتا ہے

کہوں کیا ہجر میں کیسا مزہ الفت کا آتا ہے
کبھی میں غم کو کھاتا ہوں، کبھی غم مجھ کو کھاتا ہے

وہیں غرق فنا ہوتا ہے امواج حوادث سے
حباب آسا جو اس بحر جہاں میں سر اٹھاتا ہے

خدارا ذکر ابرو چھیڑ تا کٹ جائے شب ناصح
عبث تو داستان گیسوئے برہم سناتا ہے

ملا یہ اوج مجھکو اس سپہر حسن کے غم میں
کہ لب تک آتے ہی نالہ فلک کے پار جاتا ہے

ستمگر کے کرم سے بھی ہے ظاہر ظلم کا پہلو
کہ پیاس انساں کی قاتل آب خنجر سے بجھاتا ہے

کہاں پہنچی ہے رفتہ رفتہ شیرینی سخن کی بھی
مرا شیریں دہن خود اپنی باتوں کو چباتا ہے

تجھے اے چشم ضبط اشک اکدن چھوڑ دے گا
جراحت کھینچتا ہے زخم جب پانی چراتا ہے

تصور نے قتیل اس رخ کے بخشی یہ ضیا اس کو
مرا ہر داغ دل خورشید کا پہلو دباتا ہے

پنہاں نہ عشق زلف بت ماہرو رہے
دامن کروں ہزار رفو بے رفو رہے

مہندی کا رنگ یوں کف نازک پہ جم گیا
چلو میں جاں نثار کا جیسے لہو رہے

مل کر اٹھیں جو ہاتھ تو مل جائے کوئی جام
شامل مری دعاؤں میں دست سبو رہے

نرگس کی آرزو کہ اشاروں میں بات ہو
سوسن کا مدعا کہ کوئی گفتگو رہے

مژگاں کا پاس اگر نہ ہو ابرو کا ہو لحاظ
درد جگر نہیں ہے تو درد گلو رہے

ہو نزع میں جو زلف شکن در شکن کی یاد
مرنے کے بعد روح مری کو بکو رہے

جاں اپنی دے جوان کے رخ تابدار پر
بعد فنا قتیل تری آبرو رہے

کیا عجب نخوت میکش جو مٹا دیتی ہے
مئے تو شیشے کی بھی گردن کو جھکا دیتی ہے

جھوٹ سچ چشمِ سخن ساز لگا دیتی ہے
جس طرف اٹھتی ہے بے پر کی اڑا دیتی ہے

بحرِ ہستی میں اٹھاتا ہے جو سر مثلِ حباب
موج بھی اٹھ کے وہیں اس کو مٹا دیتی ہے

آہ سرد اپنی سبب اور بھی ہے غفلت کا
ٹھنڈی ٹھنڈی ہے ہوا اور سلا دیتی ہے

بچ بھی سکتا ہے کوئی آنکھ لڑانے والا
نگہِ یار تو تلوار چلا دیتی ہے

جھانکنا تاکنا، زیور ہے جوانی کے لئے
چیز جو وقت سے ہوتی ہے مزا دیتی ہے

گر کچھ آیا بھی تو یہ چشمِ سخنگو کو قتیل
جس سے مل جاتی ہے کچھ بات بنا دیتی ہے

پروانہ کھینچ رہا ہے چمن میں مزار سے
اچھا یہ گل کھلا ہے چراغِ مزار سے

ابرو کا ذکر مرغِ دلِ بیقرار سے
پر باندھتے ہیں رشتۂ شمشیرِ یار سے

تلچھٹ کا ہو خیال تو اے شیخ چھان لو
پگڑی گراں نہیں ہے مئے خوشگوار سے

ممکن نہیں کہ اٹھ بھی سکے حشر تک کبھی
وہ بدنصیب گر جو گیا چشمِ یار سے

ہوں والۂ جمالِ گلِ عارضِ جمیل
اِک پھول چن لیا چمنِ روزگار سے

داغوں کے شعلے اور بڑھے فصلِ باغ میں
گل ہو سکی یہ شمع نہ بادِ بہار سے

فیضانِ لم یزل کی تجلی ہے اے قتیل
ملتے ہیں آنکھ اہلِ دل اپنے مزار سے

منتشر دوش پہ ہے زلفِ سیہ فام ابھی
آپ طفلی سے ہے صیاد تہہ دام ابھی

محفلِ خاص میں بھی شرم سے آنکھیں نہ اٹھیں
میکشوں میں بھی چھلکتے نہیں یہ جام ابھی

منہ سے واعظ کے لگا دے سرِ ممبر کوئی
ایک چلو میں ہُوا ہوتا ہے سرشام ابھی

گردش دیدۂ میگوں تری باندھے جو ہوا
بزم میں مثل پری رقص کرے جام ابھی

عشق میں وصل کچھ آسان نہیں حضرتِ دل
کیجیے اور ذرا نامہ و پیغام ابھی

یاد مژگاں ہے عبث اہلِ ہوس کو شب ہجر
نفع نشتر سے ہو کیا، زخم جو ہے خام ابھی

ساتھ شوخی کے ذرا آنے تو دو رنگ شباب
رو کش طور ہوا چاہتا ہے بام ابھی

حاجبِ راہ ہوئی کشمکش گیسو و رخ
اپنے قابو میں نہیں ابلقِ ایام ابھی

نالۂ نیم شبی پر مرے بولا وہ قتیلؔ
جس کو پختہ میں سمجھتا تھا وہ ہے خام ابھی

تصور زلف سے الجھا ہوا ہے
ہمارا مرغ جاں رشتہ بہ پا ہے

خمیدہ یار کی زلفِ دوتا ہے
بلاؤں میں بھی یہ ٹیڑھی بلا ہے

خطِ عارض پہ دل نغمہ سرا ہے
ترا صیاد طوطی بولتا ہے

کہیں سر ہے کہیں ٹکڑے جگر کے
زمین کوئے جاناں کربلا ہے

مریض غم سے بولی چشمِ قاتل
کسی نے آپ پر جادو کیا ہے

ہوا اکسیر جس پر آنکھ ڈالی
نگاہِ نازِ قاتل کیمیا ہے

قتیلؔ اب کیا مری کڑیاں کٹیں گی
مسلسل یار کی زلف رسا ہے

تشبیہہِ یار کھچکر جا گزیں معلوم ہوتی ہے
بیاضِ چشمِ دل، عرش بریں معلوم ہوتی ہے

کھلا یا مجھ کو رفتہ رفتہ یادِ زلفِ برہم نے — محبت اس کی مارِ آستیں معلوم ہوتی ہے
یہیں سے اس جہاں کا بھی تماشا دیکھتا ہوں میں — یہ چشم روزنِ دل دوربیں معلوم ہوتی ہے
گلِ مضموں کو مرجھانے نہ دیکھا باغِ عالم میں — زمینِ شعر جنت کی زمیں معلوم ہوتی ہے
بجا ہے فصلِ گل کو گر میں ایامِ جنوں سمجھوں — اک اک گل کی قبا نے آستیں معلوم ہوتی ہے
غلط فہمی سے اپنی لوگ جس کو برق کہتے ہیں — مجھے تو میری آہِ آتشیں معلوم ہوتی ہے
قتیل ان گیسوؤں سے ہے یہ ویرانی مرے دل کی — کہ اب تو کوئی حسرت بھی نہیں معلوم ہوتی ہے

پرتوِ صبحِ جبیں، مشرقِ انوار میں ہے — ظلمتِ شامِ شبِ زلف، شبِ تار میں ہے
سوکھے ہی گھاٹ اک اک کشتۂ ابرو اترا — صرف کہنے ہی کو پانی تری تلوار میں ہے
شورِ محشر کے بھی اوسان خطا ہوتے ہیں — کیا قیامت ترے پازیب کی جھنکار میں ہے
راس آتا بھی ہے یہ عزمِ عیادت کہ نہیں — کوئی حالت بھی مسیحا ترے بیمار میں ہے
تو مسلماں سہی کر نہ حذر کافر سے — جانِ من خالِ سیہ بھی ترے رخسار میں ہے
دائرہ بن کے ہے گھیرے ہوئے رفتار اپنی — پھیر قسمت کا مری، گردشِ پرکار میں ہے

جانے رہگیر کوئی ہے کہ قتیلِ بیکس
لاش افتادہ کوئی کوچۂ دلدار میں ہے

جو مجھ سا باغ میں محرومِ آرزو آئے — مزا ثمر میں، نہ پھولوں میں رنگ و بو آئے
پنپ سکے نہ کوئی زلفِ یار کا مارا — بچے نہ، اُڑ کے یہ ناگن جو حرف چھو آئے
کیا حجاب بھی اس نے تو آنکھ والوں سے — خدا کی شان ہے آئینہ روبرو آئے

وہیں سمٹ کے ہو مُہر سکوت کی صورت / جو لب تک اپنے کوئی حرف آرزو آئے

قدم لئے مرے بڑھ بڑھ کے آپ منزل نے / رہِ طلب پہ جہاں پلٹے جستجو آئے

تمہارے خنجر ابرو کا وصف کیا ممکن / زباں کے ٹکڑے ہوں اس میں جو گفتگو آئے

ہوائے زلف میں اڑ کر جو آئے ناوک یار / تو رشک کی مرے زخم جگر سے بو آئے

یہ محتسب کو ہے رندان پاکباز کا حکم / ہماری بزم میں جو آئے باوضو آئے

سوائے داغ قتیل اور کچھ نہ ملنے کا
ہزار مہر و کرم پر وہ ماہ رو آئے

بحر میں اشکوں کو طغیانی سی طغیانی ہوئی / خود الٹ کر کشتی گردوں بھی طوفانی ہوئی

چھپ نہیں سکتا ہے پردے میں کوئی دلسوختہ / شمع کی فانوس میں پنہاں نہ عریانی ہوئی

اف ری مقتل میں ہماری گرمی سوز جنوں / تیغ یار آتے ہی آتے حلق تک پانی ہوئی

پھول پینے میں جو یاد آئے لب خوش رنگ یار / مے کی اک اک بوند ابل کر لعل رمانی ہوئی

اف رے جذب آخر کھنچ آیا وہ پری رو خود بخود / لوح دل تاثیر میں نقش سلیمانی ہوئی

آبرو کی بات تھی، غم سے جو خشک آنسو ہوئے / ہر بیاض چشم مہری گل کے خود پانی ہوئی

ان کی صورت دیکھ کر سکتہ ہوا ایسا قتیل
آئینہ ہم بن گئے اس درجہ حیرانی ہوئی

دل مرا گھٹ گھٹ کے مردہ زلف عنبر بو میں ہے / بے کفن افتادہ لاش اک کوچۂ گیسو میں ہے

ہنس کے بولے کشتۂ چشم سیہ کی لاش پر / مجھ کو کیا معلوم تھا اتنا اثر جادو میں ہے

صاف نالوں کی صدا آتی ہے ہنگامِ خرام
کوئی ٹکڑا میرے دل کا تو نہیں گھنگھرو میں ہے

عشق کی بھی اللہ اللہ اُف ری آتش باریاں
سوزِ دل میں، داغ لالے میں، شرر جگنو میں ہے

خون ہو ہو کر بہیں ساری امنگیں ہجر میں
حسرت و ارماں کی اک دنیا مرے آنسو میں ہے

خشتِ میخانہ پہ تکیہ میکشوں نے کر لیا
عکس زاہد حور کے آئینۂ زانو میں ہے

خنجرِ غم سے تردد کیا ہو دل کو اے قتیل
لب پہ نادِ حیدریؓ، زورِ علیؓ بازو میں ہے

ہو اگر مقصد کہ زورِ چشمِ فتاں دیکھیے
اک نظر مڑ کر سوئے گورِ غریباں دیکھیے

خاکساروں کے لیے اقبال ساماں ہے جنوں
چرخ پر چھائی ہوئی گردِ بیاباں دیکھیے

عالمِ غم میں بھی چھپ سکتا نہیں رنگِ سرور
قلبِ محزوں میں مرے اک زخمِ خنداں دیکھیے

سوخت ہو جاتا ہے پہلے ہی تحمل عشق میں
شمع کو جب دیکھیے محفل میں گریاں دیکھیے

جب قتیل اپنا تخلص آپ نے رکھ ہی لیا
تا بقائے عمر آبِ شمشیرِ براں دیکھیے

نورِ شہاب، چشمِ بتِ سیمبر میں ہے
مہندی کا رنگ ناخنِ تیغِ نظر میں ہے

دل جس کا کھو گیا، اسے مقصود مل گیا
سارے جہاں کا نفع اسی اک ضرر میں ہے

ہر شے سے جلوۂ رخِ جاناں ہے آشکار
نورِ جمالِ دوست مری چشمِ تر میں ہے

چکر ہے یادِ خالِ رخِ آبدار میں
یعنی مرے خیال کی کشتی بھنور میں ہے

موقوف میری زیست ہے ان کی نگاہ پر
رشتہ مری حیات کا تارِ نظر میں ہے

ممکن نہیں سکون سکرو کو ہو سکے
جب دیکھئے نگاہ ہمیشہ سفر میں ہے

دزدیدہ مجھ کو دیکھا تھا اس ترک نے کبھی
اک چور آج تک مرے زخمِ جگر میں ہے

اللہ ری تڑپ کہ ٹھہرتی نہیں نگاہ
تلوار ہے حضور کہ بجلی کمر میں ہے

تربت سے روزِ حشر یہ کہتا اٹھوں گا میں
یارب قتیل امتِ خیر البشر میں ہے

دیکھ کر مجھ کو مسکراتا ہے
بجلیاں قلب پہ گراتا ہے

شورِ بختی نے کیا نمک چھڑکا
غم مجھے کس مزے سے کھاتا ہے

پس گیا جو رہِ محبت میں
سرمہ سا آنکھ میں سماتا ہے

اہلِ نخوت سبق حباب سے لیں
سر اٹھاتے ہی ٹوٹ جاتا ہے

چشمِ محبوب سرمگیں ہے قتیل
شب کو جادو کوئی جگاتا ہے

عشق کا نام نہ لے صاحبِ ایماں کوئی
زلف برہم ہے کہ الجھے نہ مسلماں کوئی

حرمتِ مے، ارے توبہ، خفقاں ہے رندو
محتسب کو بھی سمجھتے ہو تم انساں کوئی

سرِ مقتل بھی رہا یہ اثرِ حزنِ فراق
زخم بھی جسم پہ میرے نہیں خنداں کوئی

روئے انور پہ یہ کہتا ہے ترا خالِ سیاہ
آج سے آئے نہ کعبے میں مسلماں کوئی

سوزِ غم، وحشتِ دل، خارِ الم، گردِ ملال
گھر مرا ہے شبِ فرقت کہ بیاباں کوئی

سیکھئے شہرِ خموشاں سے مساوات کا درس
نہ یہاں مور کوئی ہے نہ سلیماں کوئی

واے تقدیر نہ رحم آیا دمِ قتل قتیل
یاد کر کرکے مگر اب ہے پشیماں کوئی

زور پر ہوگا جنوں، جوش پہ وحشت ہوگی
فصلِ گل آتے ہی کچھ اور طبیعت ہوگی

یادِ قامت میں کہاں چین کی صورت ہوگی
جو کٹے بھی شبِ غم، صبحِ قیامت ہوگی

اشک آنکھوں میں، فغاں لب پہ، گریباں صد چاک
میری تصویر بھی، تصویرِ محبت ہوگی

دلِ عشاق میں جو آگ لگا دیتی ہے
وہ ترے دستِ حنائی کی شرارت ہوگی

میں ہوں دل باختہ اس قامتِ موزوں کا قتیل
میرے ہر شعر کی ترکیب قیامت ہوگی

چھپی ہے عشق میں خود حسن سے وحشت کہیں اپنی
بہار آتے ہی پھولوں نے اڑا دی آستیں اپنی

نہ رہنے کا جہاں اپنا، نہ ہونے کی چنیں اپنی
جوانی بھر فلک اپنا، جوانی بھر زمیں اپنی

مری تربت پہ ہیں آٹھوں پہر جمگھٹ حسینوں کا
کہاں اس شوخ کا کوچہ کہاں دو گز زمیں اپنی

وفورِ جوشِ مستی میں خُمِ مے کو کیا سجدہ
جھکی بھی تو کہاں جا کر جھکی ساقی جبیں اپنی

الٰہی یہ درِ کعبہ ہے یا بابِ صنم خانہ
غرض پتھر کے رکھ دی ہے فرشتوں نے جبیں اپنی

ذرا صیاد بڑھ کر دیکھ تو یہ کون موسم ہے
گریباں سے الجھنا چاہتی ہے آستیں اپنی

جنوں بھی موسمِ گل کا ارے توبہ قیامت ہے
اُلجھ پڑتی ہے اپنے ہاتھ سے خود آستیں اپنی

کھنچی آتی ہے دنیا، قبر با لوحِ محبت ہے
نگاہوں میں تماشا بن گئی دو گز زمیں اپنی

یہ ہے وہ آئینہ جتنی پڑے گرد اور چمکے گا
کرے انسان روشن خاکِ سجدہ سے جبیں اپنی

یہی رنگِ نزاکت ہے تو خنجر کیا اٹھائیں گے — نہیں اٹھتی جوان سے خود نگاہِ شرمگیں اپنی
قیامت بن گئیں تھپیڑیاں فصلِ گلستاں کی — الجھ کر رہ گئی دامن سے بڑھ کر آستیں اپنی
تری زلفیں سلامت کس سے کیا امید اے قاتل — یہ دامن کب ہوا اپنا، جو ہوگی آستیں اپنی

علیؓ ہو تم، ولی ہو تم، قتیلؔ اور اتنی مشکل میں
یدِ اللّٰہی دکھا دو یا امیرالمومنیں اپنی

رونق ترے جلووں سے کس کس نے نہیں پائی — یہ لے گئے زیبائی، وہ لے گئے رعنائی
کس شان سے اتری ہے کھنچ آئی ہے رعنائی — تصویر سے قاتل کی حوروں کو بھی شرم آئی
شمشیر قضا دم تھی یا تیغ اجل پیکر — تھیں قطع رگیں دل کی، اف ری تری انگڑائی
پڑتے ہی نظر دل پر کیا ناک کے تیر آیا — اتنک نہ سنی ورنہ تصویر میں بینائی
پہچان کے مارا ہے اک تیر کلیجے پر — کام آ ہی گئی آخر قاتل کی شناسائی
ایسا نہ محب کوئی، دشمن نہ کوئی ایسا — موسیٰؑ کے بھی تھے بھائی، یوسفؑ کے بھی تھے بھائی

محفل سے قتیلؔ اس نے بلوا کے نکلوایا
ذلت سہی یہ ذلت ہے، رسوائی سہی رسوائی

بہک کر جب کوئی زاہد سوئے میخانہ آتا ہے — اُبل پڑتا ہے شیشہ، رقص میں پیمانہ آتا ہے
کبھی ابرو کو جنبش ہے، کبھی آنکھیں لڑاتے ہیں — کبھی تلوار چلتی ہے، کبھی پیمانہ آتا ہے
خیال آتا ہے جب پیرِ مغاں کی چشمِ میگوں کا — پری کی طرح اُڑ کر سامنے پیمانہ آتا ہے
خلش دل میں، جگر میں ٹیس، لب پر آہ، آنکھیں تر — کوئی تصویرِ غم ہے، یا ترا دیوانہ آتا ہے

بہار آتے ہی ہوگا زیبِ تن ملبوسِ عریانی — جنوں ہمراہ لیکر خلعتِ شاہانہ آتا ہے

جنوں میں آبروئے عشق ہے ہر داغ سینے کا — محبت ہو جو صادق تمغۂ شاہانہ آتا ہے

کوئی قاشِ جگر یا دل کا ٹکڑا ہے قتیلؔ اس میں
خدا معلوم کیا اشکوں میں بہتا بانہ آتا ہے

ضیائے عارضِ روشن دوبالا ہو گئی تل سے — لگے ہیں چار چاند اس شمعِ کافوری میں فلفل سے

یہ مرنے والے کیا سمجھے یاں اجل خود کھا گئی چرکے — کھنچی قاتل ہی خود شمشیر کی صورت جو بسمل سے

فنائے ذات ہو کر قطرہ دریا بہ دامن ہو — تو خود منزل نما بن جا گزر کر حدِ منزل سے

ہوئی یوں حسنِ وحدت سی ہویدا عشق کی کثرت — تری تصویر میں رنگ آیا کھنچ کر تری محفل سے

یہ دل کا کوئی ٹکڑا ہے کنارِ چشمِ گریاں میں — کہ یارب آ لگی ہے لاشِ حسرت بہہ کے ساحل سے

فراقِ روح و تن بچھڑنے لگا آنکھوں میں اے قاتل — نکلنا دیکھکر شمعِ سحر کا تیری محفل سے

یہ اے جراح ٹکڑا ہے کوئی شمشیرِ قاتل کا — کہ نکلی ہے زباں باہر دہانِ زخمِ بسمل سے

نقاب اس غنچہ لب نے کیا رخِ گلگوں سے سرکا دی — گلستاں اشک بنکر گر گیا چشمِ عنادل سے

یہ دشتِ نجد ہے یا تخت گاہِ عشق ہے یارب — کہ ابتک جو غبار اٹھتا ہے مل جاتا ہے محمل سے

کرشمے عشق کے یکساں ہیں لیکن فرق اتنا ہے — کہ تم قادر ہو اپنے دل پہ ہم مجبور ہیں دل سے

جمالِ ظاہری سے عیبِ خلقی چھپ نہیں سکتا
قتیلؔ اس کی ہوئی تصدیق مجھ کو ماہِ کامل سے

بگڑا ہے وجود اپنا جب اس در سے اٹھا ہے — یارب مری ہستی ہے کہ نقشِ کفِ پا ہے

گل کھا کے ثبوت الفت صادق کا دیا ہے — جو داغ ہے سینے پہ مرے نقش وفا ہے
اب اور دل زار کے مرنے میں رہا کیا — بیمار ہے اس پہ نہ دوا ہے نہ دعا ہے
بوندے کی سناں بن گیا اغیار کے حق میں — جو قطرۂ اشک آہ کے ہمراہ گرا ہے

جب سے ہے نمک ریز قتیلؔ ان کی ملاحت
خنجر کے بھی پھل کھانے میں اک خاص مزا ہے

ساغر میں عکس چہرۂ طلعت مآب ہے — آج آفتاب جلوہ گہہ آفتاب ہے
دیکھوں گا حشر میں تجھے اے آفتاب حشر — داغ جگر بخیر، ادھر بھی جواب ہے
وہ بیکراں ہے، لامتناہی اگر ہے یہ — میرے گنہ نہ اس کے کرم کا حساب ہے
زلف دراز ان کی ہوا باندھنے لگی — یہ جان کر کہ آبلۂ دل حباب ہے
بھٹی بھی آسمان چہارم سے کم نہیں — پیر مغاں مسیح، قدح آفتاب ہے
کوثر جسے سمجھتے ہو اے شیخ بادہ خوار — تم کم پڑھے ہو، نام اسی کا شراب ہے
قاصد کی خاک بھیجی ہے اس نے لفافے میں — کیا کیا نہ میرے خط کی بھی مٹی خراب ہے
کیا کچھ بکے ہیں شیخ نہ پورا مہ صیام — اب عید میں بھی ٹر ہے وہی کچھ جواب ہے

اللہ رے عکس شیشۂ گردوں میں اے قتیلؔ
تاروں میں اپنے داغ جگر کا حساب ہے

تم کیا ملے کہ زیست کی صورت بدل گئی — ہم تو یہ سمجھے آج سے قسمت بدل گئی
ناصح کا دیکھنا تھا مرے خوش جمال کو — ترکیب پند و طرح نصیحت بدل گئی

غیروں کی اختلاط سبب ہے زوال کا
کیا رات بھر میں چاند کی صورت بدل گئی

اس فتنہ جو کو ہمنفسو کیا جواب دوں
کہتا ہے مجھ سے کیوں تری صورت بدل گئی

توبہ تو کی تھی مے سے خزاں میں مگر قتیل
فصل چمن جو آئی، طبیعت بدل گئی

شب غم یاد زلف پرشکن جا جا کے آتی ہے
ہمارے محمل دل میں یہ لیلیٰ جا کے آتی ہے

ہوا کرتا ہے خود جب حسن بڑھ کر عشق پر غالب
جوانی پھر نئے سر سے زلیخا جا کے آتی ہے

پھرے بڑھ بڑھ کے اک پردہ نشیں کے عشق میں دلسوز
یونہی دریا میں باہر موج دریا جا کے آتی ہے

تصور کی طرح جس دم نظر آجاتے ہو فرقت میں
یہ جان ناتواں بھی اے مسیحا جا کے آتی ہے

قتیل اللہ اکبر کس قدر شوریدہ سر نکلا
کہ اس کو کیفیت اب نام پر خواجہؒ کے آتی ہے

سوزِ فرقت میں سنبھلتی نہیں حالت میری
اے اجل تو ہی نکال اب کوئی صورت میری

تازیانہ اسے ہو جاتی ہے آتے ہی بہار
توسنِ تیز قدم ہو گئی وحشت میری

حسن کا عشق پہ بھی ہوتا ہے کس درجہ اثر
ان کی تصویر سے ملنے لگی صورت میری

ٹانک دیتے ہیں دہن میری جراحت کے بھی وہ
تا لبِ زخم سے بھی ہو نہ شکایت میری

صبح کے مجلس میں رخصت تھی بہار شب وصل
خندۂ گل تھا الٰہی کہ مسرت میری

ابر کے اٹھتے ہی توبہ کا گلا کٹتا ہے
تیغ جلاد سے بھی تیز ہے نیت میری

صورت کشتۂ سیماب میں کشتہ ہوں قتیل
نہ کہیں میرا جنازہ ہے نہ تربت میری

فکرِ زلفوں سے ہم آغوش ہوئی جاتی ہے — لیلئ نظم سیہ پوش ہوئی جاتی ہے

کہنے والا کوئی اس کا ہے نہ سننے والا — داستاں دل کی فراموش ہوئی جاتی ہے

پھول تو پھول وہ دلکش ہے نوائے بلبل — پتی پتی ہمہ تن گوش ہوئی جاتی ہے

رخِ روشن پہ ہے لازم کوئی ہلکی سی نقاب — شمع بیتاب ہے خاموش ہوئی جاتی ہے

عالمِ قدس بھی زلفوں کی لپٹ سے نہ بچا — حورِ فردوس میں بیہوش ہوئی جاتی ہے

میری آنکھوں میں ہے پیمانۂ چشمِ ساقی — نظرِ شوق، قدح نوش ہوئی جاتی ہے

رخِ خورشید پہ غالب ہیں کرن کے جلوے — مہرِ محشر تری پاپوش ہوئی جاتی ہے

شمع کی چرب زبانی کا بڑا شہرہ تھا — اُن کا رخ دیکھ کے خاموش ہوئی جاتی ہے

مر کے بھی چھپ نہ سکی کیفیتِ چشتِ قتیلؔ

خاکِ سرِ خاک رہ اوش ہوئی جاتی ہے

مصحفِ رخ کا ترے عشق جو ایماں ہو جائے — میرا ہر پارۂ دل پارۂ قرآں ہو جائے

ناخنِ پنجۂ وحشت سے مرے دور نہیں — جیب کے ساتھ ہی گر چاک گریباں ہو جائے

یاد آئے دلِ زخمی کو جو وہ حسنِ ملیح — کاسۂ مرہم کافور نمکداں ہو جائے

ہو جو سیراب ترے وصل سے اے بحرِ کرم — قطرے قطرے کو ہو یہ جوش کہ طوفاں ہو جائے

سر بہ سر غرقِ فنا عالمِ امکاں ہو قتیلؔ — آبلہ دل کا مرے ٹوٹ کے طوفاں ہو جائے

دور میں ساغر، رقص میں مینا، گردش میں پیمانہ بھی

پریاں اتریں شیشوں میں ساقی، قاف ہوا میخانہ بھی

چشمِ ساقی ہو جو اِدھر، ہر چند غلط انداز سہی
چلتا پھرتا ساتھ ہی اس کے آئے کوئی پیمانہ بھی

عکس فقط آنکھوں میں نہیں ساقی کے گلابی چہرے کا
پھول سے ہے اے صلِّ علیٰ، لبریز مرا پیمانہ بھی

اُف ری وحشت ہجر کی رات آنا تھی نہ آئی نیند مجھے
زلفِ سیہ کا ناصح نے ہر چند کہا افسانہ بھی

مئے سے لبالب جام نہیں، سانچے میں جوانی ڈھلتی ہے
غلط اثر ہے، بادہ کشو، ٹکسال مرا پیمانہ بھی

نقش بجا وہ روئے طلائی دل کے خرابے میں ہے مرے
گنجِ گراں رکھتا ہے کبھی، دامن میں نہاں ویرانہ بھی

گیسو و رخ کی الفت میں حیران بھی ہے، صد چاک بھی ہے
قلبِ حزیں عاشق کا تمہارے آئینہ بھی ہے شانہ بھی

عشق کا شعلہ کھیل نہ تھا، خود شمع کو بھی جلنا ہی پڑا
رکھتا ہے اک آگ نہاں پہلو میں اک اک پروانہ بھی

دل کی فغاں میں دور نہیں، گر شاہد معنی مضمر ہو
سرِّ مخفی کہہ جاتا ہے جھک میں کبھی دیوانہ بھی

شمع پہ تیرے سامنے گرنا، یہ بھی اک گستاخی ہے
تو بھی گھونگھٹ رخ سے اٹھا تا یاد کرے پروانہ بھی

ہنس کے نقاب اس شوخ نے کیا محفل میں قتیلؔ اتاری ہے
جیب سحر میں شمع چھپی کافور ہوا پروانہ بھی

اسیرِ زلف، نظر بڑھ کے خود ہوئی ہوتی
قفس سے کم نہیں انگلی میں آرسی ہوتی

نگاہِ شیخ میں کھنچ کر اگر ملی ہوتی
پری نہیں، مئے گلفام آدمی ہوتی

خیالِ رخ میں جلاتی جو بڑھ کے گرمیٔ حسن
تمہاری راکھ میں کچھ آگ بھی دبی ہوتی

جو ملتفت کبھی ہوتی بتوں کی چشمِ کحیل
ہزار پستی مری خاک، سرمئی ہوتی

شب وصال جو دونا اے قتیلؔ آجاتے
برنگ فرش اک اک آنکھ بچھ گئی ہوتی

خدا ہی ہے جو اترے پار بجگر ناؤ ایماں کی
کہ الٹی بہہ رہی ہے اندنوں گنگا مسلماں کی

بھری ساز جنوں میں جب ہوا فصلِ گلستاں کی
صدا غنچوں سے آئی خندۂ چاکِ گریباں کی

عنادل کی طرح ہر قوتِ پرواز پھولوں میں
پری بن بن کے اڑتی ہے بہار اپنے گلستاں کی

ملا دے کنگروں سے بام گردوں کے ذرا قاتل
نکل جائیں نہ وحشی پھاند کر دیوارِ زنداں کی

اسیروں کی بھی ہے آہِ رسا میں زور کس درجہ
کھسک کر چند اینٹیں گر گئیں دیوارِ زنداں کی

چھپا رنگِ جنوں چرکے بھی کھا کھا کر نہ وحشت میں
لگی پٹی دہانِ زخم پر چاکِ گریباں کی

کسی دن تیرے در پر جو نہیں ہونا ہے وہ ہوگا
کہاں تک جھڑکیاں کوئی سہے گا تیرے درباں کی

نشانے بھی اڑے، چلے کھنچے، ترکش ہو خالی
مگر اب تک نہ ڈوبی دل میں قاتل نوکِ پیکاں کی

جنوں میرا ہے یارب یا کوئی سامانِ رسوائی
اڑی ہیں دھجیاں خود اپنے ہی ہاتھوں گریباں کی

کچھ ایسا اُن نگاہوں نے مجھے پیسا محبت میں
سیاہی آ گئی قسمت میں چشمِ سحر ساماں کی

قتیلؔ ایک ایک شعر اپنا ہے رشکِ مطلعِ گردوں
بیاضِ آفتابِ حشر ہے، تصویرِ دیواں کی

اگر آبِ بقا آبِ دمِ شمشیر ہو جائے
ترے جاں باز کا مرنا بھی ٹیڑھی کھیر ہو جائے

سرِ مقتل بڑھا دے حسن اُبل کر خون کشتوں کا
اِک اِک قطرہ حنائے ناخنِ شمشیر ہو جائے

کھنچے مجھ سے اگر مژگاں تری محراب ابرو میں
حریمِ دل میں اک اک آرزو نخچیر ہو جائے

بتوں کا عشق اگر زینہ بنے بامِ حقیقت کا
لبِ ناقوس تک آکر صدا تکبیر ہو جائے

قتیلؔ بینوا واللہ سمجھوں میں نجات اپنی
یہ جانِ زار اگر نذرِ زخمِ شمشیر ہو جائے

رفتہ رفتہ پیر اک دن ہر جواں ہونے کو ہے
ہے یہی اک تیر جو آخر کماں ہونے کو ہے

اک مسیحِ عصر میرا میہماں ہونے کو ہے
گھر مرا رشکِ چہارم آسماں ہونے کو ہے

حسرتِ دل ہجر میں گرمِ فغاں ہونے کو ہے
آج اک ویران مسجد میں اذاں ہونے کو ہے

فوتِ مطلب، مرگِ حسرت، خونِ دل، قطعِ امید
تو سلامت کیا نہیں اے آسماں ہونے کو ہے

قتل پر میرے اب آپس میں بھی ہیں سرگوشیاں
راز بنکر جو چھپا تھا، داستاں ہونے کو ہے

ہو رہا ہوں عشق ابرو میں پے قتل انتخاب
عدل میں قاتل مرا نوشیرواں ہونے کو ہے

اب چھپائے چھپ بھی سکتا ہے کہیں عشقِ مژہ
زخمِ دل میں ٹوٹ کر نشتر زباں ہونے کو ہے

آگ برسانے پہ آمادہ ہیں نالے ہجر میں
پھلجھڑی اک دن شاخِ آشیاں ہونے کو ہے

دھاک ان کی تیغ ابرو کی ہے روز افزوں قتیل
رفتہ رفتہ کشور ہند اصفہاں ہونے کو ہے

دل پر مرے نظر ہے بت گلعذار کی — الجھی ہیں ایک غنچے میں آنکھیں بہار کی
ہر داغ ہجر پھول ہے، ہر زخم ہے ہرا — چھائی ہوئی خزاں پہ بھی رت ہے بہار کی
کھل کھل پڑی ہے دامن گل کی کلی کلی — کیا بات ہے چمن میں نسیم بہار کی
لالے میں رنگ برگ میں سبزی گلوں میں بو — چھپتی نہیں نقاب میں شوخی بہار کی

کیا قدر اب چمن میں مرے رنگ کی قتیل
سوکھی کلی خزاں میں ہوں فصل بہار کی

جبین یار پر زلف آ پڑی ہے — یہ ہے وہ رات جو دن سے بڑی ہے
نہیں کٹتی ہے پائے تیغ سے بھی — وہ تیری راہ اے قاتل کڑی ہے
وہ مدح زلف پر دیتے ہیں پھانسی — گلے آفت اور بھی الٹی پڑی ہے
تصور میں ہے سلک دُرِ دنداں — ہماری فکر موتی کی لڑی ہے
تبسم یار کا آنسو ہمارا — وہ بجلی ہے یہ ساون کی جھڑی ہے
نگاہوں میں ہے ان کا قد موزوں — قیامت کی مصیبت آ پڑی ہے
نہ ہو روحانیت تو مادہ کیا — گڑی اور لاش گڑتے ہی سڑی ہے
ہے پیش روئے روشن مُہر بر لب — ادب سے شمع محفل چپ کھڑی ہے
قتیل اب میں ہوں اور یاد ابرو کی — کہاں شمشیر سے قسمت لڑی ہے

دھواں بنکر فغاں اے کاش سوئے لامکاں گزرے
مزا ہو چھیڑ کر جب آسماں کو آسماں گزرے

شب غم تو شب غم، کٹ گئی ابد کے قصے میں
یہاں خود عمر کٹ جائے، اگر یہ داستاں گزرے

چمن میں زلف بردوش ان کا آنا بھی قیامت ہے
ہوا ہو نکہت گل، کارواں در کارواں گزرے

اک اک تنکے کے اندر آگ ہے سو سو جہنم کی
کلیجہ ہے تو برق اک دن قریب آشیاں گزرے

مرے زخم جگر سے پھول جنت کے ہیں شرمندہ
نگاہوں سے قتیل اب تک نہ ایسے گلستاں گزرے

ہمارے قتل کی روداد کچھ بیاں ہوتی
دہان زخم میں گر تیغ خود زباں ہوتی

ہے دبکے خاک مری بار غم سے زیر زمیں
یہی ہوا میں جو ہوتی، تو آسماں ہوتی

زبان خلق پہ ہونا تھا کچھ تو قتل کے بعد
فسانہ ان کا نہیں، میری داستاں ہوتی

ہماری خاک کو کچھ تو ضرور ہونا تھا
نہیں بھی ہوتی جو کچھ، گرد کارواں ہوتی

قتیل نالے جو ہوتے مرے شرر افشاں
جواب برق مری شاخ آشیاں ہوتی

دو قدم موسیٰؑ کو بلوایا نہ آگے طور سے
دل میں رہتے ہیں، مگر جب بات کی تو دور سے

روشنی لایا شبستانِ سخن میں دور سے
نور شعروں میں بھر لے کر جبین حور سے

شومیٔ ساعت نے گھیرا آکے کتنی دور سے
بخت واژوں نے سیاہی لی ہے زلف حور سے

وصل کی شب ہے، مئے گلگوں میں کوثر کا مزا
ہے مشابہ ساغر گلرنگ چشم حور سے

اے کہ تھے ہم مجرم عشق بتانِ خوش جمال
حشر میں باندھے گئے ہاتھ اپنے زلف حور سے

ذرہ ذرہ چہرۂ انور سے خود اک حور ہے — حور یا اچھے ہو تم، یہ پوچھ لو خود حور سے
میری پھبتی پر فضیلت ہے، جو زاہد خلد کو — پھر چھپا پھرتا ہے کوثر، کیوں مئے انگور سے
اک ذرا تصویر اپنی دے تو دو اے مہ جمال — بڑھ گئی ہے بات کچھ باغِ ارم میں حور سے

روشنائی سے لکھا کرتا تھا پہلے اے قتیل
اب غزل لکھتا ہوں میں خونِ دلِ رنجور سے

جنوں صادق اگر نکلے، تو ہر ذرے میں صحرا ہے — سلیقہ ڈوبنے کا ہو تو ہر قطرے میں دریا ہے
لطافت سے لباسِ ہست میں تفریق ناممکن — یہی وہ ایک جامہ ہے، جو سیدھا ہے نہ الٹا ہے
وہ آتے آتے میرے گھر، عدو کی سمت جا نکلے — مرا خطِ جبیں اے کاتبِ تقدیر الٹا ہے
اسیری میں بھی بے زنجیر سنبھلے گا نہ دیوانہ — کہ اس کو دوسرا سودا نہیں، زلفوں کا سودا ہے

قتیل اللہ اکبر کیا تڑپتی ہے جبیں اپنی
کوئی نقشِ محبت یار کا، نقشِ کفِ پا ہے

شمع سے بیزار تیرے سامنے پروانہ ہے — حسن تیرا سولہ آنہ، اُس کا حسن ایک آنہ ہے
زندگی مرہونِ مے، جاں فدیۂ میخانہ ہے — ہاتھ میں ساقی کے میری عمر کا پیمانہ ہے
پا رہا ہوں چپے چپے پر جبینوں کا نشاں — بابِ کعبہ ہے الٰہی یا درِ میخانہ ہے
عاشقِ جاں باز مر کر دفن بھی کب کا ہوا — تم یہی سمجھا کیے بازار کا افسانہ ہے
شمع ہو، قندیل ہو، کچھ بھی ہو، پر ہی تک ہے سب — پر نہیں تو ہیچ ہے، بس نام ہی پروانہ ہے
خود بخود کھنچتے ہیں پتھر کی طرف لڑکوں کے ہاتھ — راہ میں وہ سامنے شاید کوئی دیوانہ ہے

ہوں بجا محروم محفل میں تری مثلِ حباب
ساقیا الٹا مری تقدیر کا پیمانہ ہے

جس جگہ دیکھو وہیں ہے قتل کی میرے صلاح
کس قدر یہ رائے بھی جلادِ آزادانہ ہے

سنتے ہیں جنت میں بھی نہریں ہیں مے کی اے قتیلؔ
پھر غلط کیا ہے کہ جنت اصل میں میخانہ ہے

حریمِ تابشِ سلکِ دُرِ دندانِ قاتل ہے
یہ اک موتی محل بتیس ۳۲ کمروں کا مرادِ دل ہے

امینِ حسنِ مطلق، جلوہ گاہِ نورِ کامل ہے
حریمِ خلوتِ دل بارک اللہ، عرش منزل ہے

بقا پیشِ فنا ہے، یہ دوراہہ، حدِ فاصل ہے
لحد کہتے ہیں جس کو بیچ کی وہ ایک منزل ہے

بہت دشوار ہے دریا دلوں سے فائدہ پہنچے
ازل ہی سے ہمیشہ خشک لب دامانِ ساحل ہے

یہ وصل و ہجر دونوں ہاں نہیں پر منحصر ٹھہرے
جو تم چاہو تو یہ آساں ہے، جو ہم چاہیں تو مشکل ہے

اک اک ٹکڑا ہے یا تصویر حورانِ بہشتی کی
یہ مجموعہ مرے دل کا ہے یا فردوس منزل ہے

سوا ان چار کے کوئی نظر آیا نہ مقتل میں
قتیلِ بے نوا ہے، موت ہے، خنجر ہے، قاتل ہے

شبِ غم یادِ مژگاں اور بھی سنگین ہوتی ہے
جو کوئی تیر آتا ہے، تو کچھ تسکین ہوتی ہے

نظر عہدِ جوانی کی، ارے تو یہ، معاذ اللہ
یہ بڑھ کر مرغِ دل کے واسطے شاہین ہوتی ہے

رسائی اس کی گردن تک گزر جاتی ہے یہ دل سے
مژہ کی مار، ابرو سے کہیں سنگین ہوتی ہے

ہوا گلفام خونِ آرزو سے آبلہ دل کا
یہ کوثر وہ ہے جس سے زمزمی رنگین ہوتی ہے

بتاتا ہے نشاں تیروں کو اٹھ کر دردِ پہلو کا
قتیلؔ اس سے مقامِ قلب کی تعیین ہوتی ہے

بے اٹھائے اٹھ نہیں سکتی عجب مشکل میں ہے
لاش محتاجِ احبا پہلی ہی منزل میں ہے

جس طرح قالب میں تیرے حسن کا ہے مادّہ
عشق اے قاتل یونہی مخلوط میری گِل میں ہے

زلف سے الجھے تو پھر الجھے ہی رہنے میں ہے خیر
یعنی حل عقدۂ مشکل، اسی مشکل میں ہے

کنج عزلت میں نہیں باد حوادث کا خطر
خوف کیا طوفان کا کشتی اگر ساحل میں ہے

ایک تربت کے لئے محتاج ہے احباب کا
بیکسی ایسی بشر کو پہلی ہی منزل میں ہے

ڈوب کر تہہ سے ابھرنا ٹھوکریں کھلوائیگا
پائے ساحل پر لپیٹے گی موج، اگر ساحل میں ہے

کیوں نہ ہو محفل مرے قاتل کی ہمرنگ شفق
میرا خون آمیختہ دیوار کی کہگل میں ہے

ایک ہی جا شمع آسا جل کے ہوں پیوند خاک
منزل آخر بھی میری پہلی ہی منزل میں ہے

کہیئے تو یہ بھی کوئی ذوقِ شہادت ہے قتیل
مر کے بھی روح اپنی اکثر کوچۂ قاتل میں ہے

تری آنکھوں کے جو بیمار نکلے
مسیحا بھی وہاں بیکار نکلے

ہجوم اہل دل ہے ہر قدم پر
وہ لیکر ساتھ اک بازار نکلے

بہت تھا تذکرہ خلد و ارم کا
یہ دونوں کوچۂ دلدار نکلے

بہت کھنچتے تھے مجھ پر تیرے ابرو
مرے بعد اب نہیں تلوار نکلے

قتیل ابرو بتوں کے تیغے ہیں
دمِ جنبش مگر تلوار نکلے

حاجب بھی ہے نور، اور سبب ضعف بصر بھی
آنکھوں پہ حجاب اپنی ہے خود گرد نظر کی

پہلے تو کلام ان کے دہن ہی میں فقط تھا
اب سنتے ہیں تصویر سے غائب ہے کمر بھی

مجنوں جو ہے بیتاب تو لیلیٰ بھی ہے بیخود
اک آگ ہے روشن، جو اِدھر بھی ہے اُدھر بھی

پہلے تو شب و روز میں اٹھتا تھا کسی وقت
اٹھنے لگا اب دردِ جگر شام و سحر بھی

دن تم سے اُجالا ہے تو شب تم سے ہے روشن
تم غیرتِ خورشید بھی ہو، رشکِ قمر بھی

پہلے تو فقط دل ہی کے ٹکڑوں پہ تھا رونا
اب سنتے ہیں اشکوں میں ہیں کچھ لختِ جگر بھی

کیا گزری کبوتر پہ وہاں کچھ نہیں کھلتا
کچھ خون کے چھینٹے بھی ہیں، کچھ اڑتے ہیں پر بھی

اُڑ جائیں اسیرانِ قفس لے کے قفس کو
بازو میں جو ہو زور تو کام آتے ہیں پر بھی

افلاس ہے بلبل کا فقط عشق میں حاصل
غنچوں کی گرہ میں تو ہوا کرتا ہے زر بھی

آتے ہی بہار اور قفس ہو گیا بھاری
یہ اور مصیبت ہے نکلنے لگے پر بھی

ممکن ہی نہیں قدرِ قتیلؔ اہلِ سخن میں
بے علم بھی مشہور ہے، محروم ہنر بھی

چلے ہیں بزم میں غیروں کی وہ دکھا کے مجھے
اجل کہاں ہے خدارا سنبھال آ کے مجھے

اک ایک حرف کلیجے کو چھید کر نکلا
کلام تلخ نہ تھے، تیر تھے ادا کے مجھے

کہاں فراق، کہاں جام ڈاک لگ جائے
بڑھیں تو دست سبو ہاتھ ہوں قضا کے مجھے

اثر ہے تیری ملاحت کا استخواں میں مرے
ہما بھی کھائے تو قاتل چبا چبا کے مجھے

دیئے حسینوں نے طعنے قتیلؔ محشر میں
بتوں نے سخت کہے سامنے خدا کے مجھے

بہائیں اشک کیا، ہیں یہ بت بے پیر پتھر کے
مرے مرنے پہ ہیں چشمے بھی رک کر پتھر پتھر کے

بتانِ جور پرور کے مجھے حالات لکھنے ہیں
مری تحریر کو ہوں صفحۂ تحریر پتھر کے

صباحت کاتبوں کی بھی اثرِ اعجازِ خالق ہے
کہ چشمے جا بجا ہیں مثلِ جوئے شیر پتھر کے

نہیں مٹتا نظر آتا کسی تقدیر کا لکھا
قلم تیرے ہیں کیا اے کاتبِ تقدیر پتھر کے

لہو بن کے بہہ جاتے نہ آنکھوں سے تو کیا کرتے
کہاں سے دل جگر لاؤں بتِ بے پیر پتھر کے

خدا معلوم کیا ان میں بتوں کے نقش لکھے ہیں
بنائے جا رہے ہیں حلقۂ تصویر پتھر کے

حسینوں کے مکاں ہیں یا الٰہی یا عنبرینے
بٹھا رکھے ہیں اکثر بت سرِ تعمیر پتھر کے

دمِ وحشت بھی یہ عشقِ بتاں کی چارہ سازی ہے
تراش کر بن لیے ہیں حلقۂ زنجیر پتھر کے

کہاں پہنچی بالآخر شہرت اپنی سخت جانی کی
جو شمشیر اس نے لوہے کی بنائی، تیر پتھر کے

بتوں کے مصحفِ رخ پر خطِ دلچسپ شرحیں ہیں
مگر قائل نہ ہوں گے صاحبِ تفسیر پتھر کے

قتیل اے واہ کیا ہے فیض بھی بدرِ سخنور کا
کہاں یہ بیت درنہ اور کہاں شہتیر پتھر کے

منظرِ قاف عیاں ہوتا ہے میخانوں سے
مئے پری بن کے اڑا کرتی ہے پیمانوں سے

دلِ وحشی پہ وہ اس چشمِ سخنگو کا اثر
بات کرتے ہیں ہرن دشت میں دیوانوں سے

خاک کا ڈھیر وہ جل کر ہیں تو معدوم ہیں یہ
بڑھ گئی شمع کہیں سوز میں پروانوں سے

فاش، ہمراز سے ہو، رازِ درونِ خانہ
حال شیشوں کا ملا کرتا ہے پیمانوں سے

خضر خود گم ہیں مرے دشتِ جنوں میں آ کر
راستہ پوچھتے پھرتے ہیں وہ دیوانوں سے

کج سرشتوں سے سرافراز جہاں بھی نہ بچے — عمر بھر زلف الجھتی ہی رہی شانوں سے
جانے وحشت میں تھے مرحوم کے نالے کیسے — آ خنک دل کی صدا آتی ہے ویرانوں سے
دفعتاً اٹھ جو گئی اس رخ روشن سے نقاب — شمع اٹھنے لگی پر مانگ کے پروانوں سے

قصۂ زلف میں ہے خال بھی مذکور قتیل
جیسے افسانے نکل آتے ہیں افسانوں سے

گزر کے حد سے بھی حد میں رہی سوا نہ ہوئی — عروج پا کے بھی ہستی کوئی خدا نہ ہوئی
قبول درگہہ والا جو ہو وہ سب کچھ ہے — دعا نہ کہیے، جو ضائع ہوئی دعا نہ ہوئی
نظر پڑی کہ ہوا پیش خُم میں سر بہ سجود — یہ وہ نماز ہے، تا عمر جو قضا نہ ہوئی
کلیجہ چھید دیا کس نگاہ سے دیکھا — تری ادا نہ ہوئی موت کیا بہانہ ہوئی
نہ بچتا کوئی وہ عام اعتقاد ہو جاتا — یہ دختِ رز بھی غنیمت ہے پارسا نہ ہوئی
ہمیشہ وعدۂ محشر کو اس طرح ٹالا — چلے وہ چال، قیامت کبھی بپا نہ ہوئی
حجاب بن کے رہا رخ پہ ان کے دامن طور — کبھی ہوئی بھی تجلّی، تو برملا نہ ہوئی
وفور ضعف یہ بھی آہ سوئے عرش گئی — ہماری طرح یہ ظالم شکستہ پا نہ ہوئی

شب الم جو نمک پاش تھا وہ حسن ملیح
قتیل تابش دل زار بے مزا نہ ہوئی

تہ ابرو بجا گردش میں چشم یار ہوتی ہے — کہ بڑھتی ہی تڑپ جب سان پر تلوار ہوتی ہے
جو بازوئے قضا سے اڑ سکے وہ تیر ہے تیرا — چلے پائے اجل سے جو، تری تلوار ہوتی ہے

جفا ہوتی ہے مضمر سرنگوں کے سر اٹھانے میں
قلم کرتی ہے سر حسام علم تلوار ہوتی ہے

کھنچے خود وہ تو ابرو بھی کشیدہ یوں ہوئے مجھ سے
کہ جیسے جنگ میں تلوار پر تلوار ہوتی ہے

جو ہوتا ہے تصور ابروؤں کا یاد گیسو میں
تو شب بھر خواب میں تلوار ہی تلوار ہوتی ہے

دلوں میں نقش ہے شق القمر کا معجزہ اب تک
مسلمانوں کی انگلی وقت پر تلوار ہوتی ہے

سر مقتل برابر قاتل سفاک کے شامل
قتیل بیٹھا ہوتا ہے اور تلوار ہوتی ہے

نقاب آسا کدورت حاجب دیدار ہوتی ہے
ہمارے ان کے اکثر بیچ میں دیوار ہوتی ہے

نتیجہ عشق زلف و رخ کا بعد مرگ یہ دیکھا
میان گبر و مسلم لاش پر تکرار ہوتی ہے

محبت زلف پرخم کی ہے مشکل الفت رخ سے
مصیبت رات کی دن سے کہیں دشوار ہوتی ہے

کہاں تک بڑھ گئی ہے چیرہ دستی زلف برہم کی
ترے کوچے میں سنتا ہوں کہ اکثر مار ہوتی ہے

قتیل اک اک قدم پر بچھ رہا ہے عرصۂ محشر
بسے جس سے قیامت یار کی رفتار ہوتی ہے

بہار آئی، وہ ابر اٹھا، چمن آتش بہ دامن ہے
نشیمن سے دھواں اٹھا ہی، تم کہتے ہو ساون ہے

خیال زلف ہمدوش خیال روئے روشن ہے
ہمارا رشتۂ تسبیح زنار برہمن ہے

مری تاثیر وحشت سی ہے، خود بہزاد بھی حیراں
جو اتری بھی شبیہہ اپنی، گریباں ہے، نہ دامن ہے

ارے اے برق کیا سمجھی تڑپتی ہے تو کیوں اس پر
میں کہتا ہوں یہ تنکے ہیں، تو کہتی ہے نشیمن ہے

جو گنگا اس سے بہتی ہے، تو جمنا ہے رواں اس سے
مری آنکھوں میں بھادوں ہے، مری آنکھوں میں ساون ہے

رقابت اور اس جوش کی محفل میں ارے توبہ
یہی وہ ایک منزل ہے جہاں ہر دوست دشمن ہے

بضاعت ہے قتیلؔ اپنی مرقع حسن والوں کا
چراغ زندگی میں اپنے تصویروں کا روغن ہے

سینے پہ شب غم، آخر کار، اک داغ محبت لے کے چلے
اے ہجر یہ تمغہ الفت کا ہم تیری بدولت لے کے چلے

منزل کا ہے ڈھلا، آنکھوں میں ہے دم، تصویر ہے دل پر نقش اسکی
گو ہجر میں گزرے جان سے ہم، اک اس کی صورت لے کے چلے

یاں ضعف بصر، واں برق جمال، آنکھیں خیرہ، تصویر آسا
محفل سے تری ارباب طلب، دیدار کی حسرت لے کے چلے

اس روئے طلائی کے صدقے، ہر داغ وفا ہے سکۂ زر
ہمراہ خزانہ تربت میں، ہم دل کی بدولت لے کے چلے

اٹھ بھی نہ سکی، بیکار تھی آب، اترے بھی تو سوکھے ہی گھاٹ اترے
مقتل سے بھی اے شمشیر نظر، ہم پیاس کی شدت لے کے چلے

وہ فاتحہ پڑھنے کیا نکلے، ہر گام پہ مردے جیتے ہیں
جس سمت چلے یہ خوش قامت، ہمراہ قیامت لے کے چلے

اللہ رے تصور نزع میں بھی، پھرتا ہے قتیلؔ آنکھوں میں وہ قد
اک حشر مجسم شامل ہے، آنکھوں میں قیامت لے کے چلے

جو کھولے بال تو نے صحن میں اے گلبدن کالے
ہوئے گل نیلوفر، شاخوں پہ مرغان چمن کالے

ترے گیسوئے کافر کی سیاہی گر ہوا باندھے
قلمرو میں تری پیدا ہوں اے بت برہمن کالے

بجا ہیں گرمئ خورشید عارض سے سیاہ آنکھیں
کڑی جب دھوپ ہوتی ہے تو ہوتے ہیں ہرن کالے

کریم الخلق، جان فخر عالم، صاحب دہلی
امیر چشت، قطب العصر، مخدوم زمن کالے

قتیل اللہ اکبر یاد گیسو میں جو مرتا ہے
دیئے جاتے ہیں تجھے آبنوسی اور کفن کالے

سر تو کیا دل کٹ گئے ہر گام پر رفتار سے
چال میں آگے ہو تم، چلتی ہوئی تلوار سے

زندگی یا موت دونوں چال ہی کا پھیر ہے
جی اٹھے رفتار سے کشتہ ہوئے تلوار سے

ہے شہیدوں کے لئے اے خضر عمر جاوداں
آب حیواں جس کو لینا ہو وہ لے تلوار سے

حسن سینہ ہے کہ ہو بڑھ کر سر میداں سپر
مرد کو زینت کمر کی چاہیئے تلوار سے

جب ستایا ہجر مژگاں نے کیا ابرو کو یاد
کاٹتا ہوں تیر کی پرواز میں تلوار سے

بے سبب بسمل نہیں ہوں، تیرا کھنچا دیکھ کر
ملتی جلتی ہے کبھی انگڑائی کی تلوار سے

مر گیا میں نیچا ابروئے قاتل دیکھ کر
جو کمی تھی موت میں پوری ہوئی تلوار سے

بزم ہی تک ابروئے خمدار کا آئے خیال
رزم میں مضمون لینا چاہیئے تلوار سے

کس قدر ہے سخت جانی میری مشہور اے قتیل
اس نے ابرو کے عوض چرکا دیا تلوار سے

داستان خون ناحق پوچھئے تلوار سے
قصۂ زخم جگر سنئے لب سوفار سے

چہرۂ خوشرنگ سے گلہائے خنداں منفعل — ناطقہ ہے بند بلبل کا تری گفتار سے

بے نیاز اہلِ خلش سے ہے اک رنگیں مزاج — پاس رہ کر بھی نہ الجھا دامنِ گل خار سے

خطرۂ عشاق ہے معشوق کا ڈھلتا شباب — بچ کے رہنا چاہیے گرتی ہوئی دیوار سے

گر کے ہر قطرہ لہو کا چشمِ ارماں تھا قتیلؔ
جب ہوا کشتہ میں تیغِ حسرتِ دیدار سے

رخِ تصور میں چراغ آیا جلانے کے لئے — برق تجلی ساتھ لائی آشیانے کے لئے

شاخِ طوبیٰ ہے فلک پر آشیانے کے لئے — برق چکر میں زمیں پر ہے جلانے کے لئے

دل جلوں کے حق میں بزمِ عیش بھی بے سود ہے — شمعِ محفل میں ہے صرف آنسو بہانے کے لئے

خواہشِ دیدار اگر ہے صبر سے بیٹھا رہے — موت اک دن آپ آئیگی بلانے کے لئے

ہے زبانِ حال سے گویا فراقِ روح و تن — آئے تھے دنیا میں ہم دنیا سے جانے کے لئے

حضرتِ یوسفؑ تھے شاہِ حسن اپنے وقت کے — تم مگر نامِ خدا ہو ہر زمانے کے لئے

یوں قتیلؔ زار ہے مخصوص بہر خانقاہ
جس طرح فیضیؔ و نشتر بچارے خانے کے لئے

تابشِ روئے یار دیکھی تھی — برق بے اختیار دیکھی تھی

دل تو کیسے کہوں مگر کوئی چیز — ہاں سرِ رہگزار دیکھی تھی

عمر بھر سر وبالِ دوش رہا — کبھی شمشیرِ یار دیکھی تھی

خاک اڑتی ہے گلشنِ دل میں — کبھی اس میں بہار دیکھی تھی

جانے اب ہو بھی یا قتیلؔ نہ ہو
کل تو حالت نزار دیکھی تھی

مجھ سے یوں عشق میں لختِ دلِ مضطر چھوٹے
کھل کے جس طرح گلستاں سے گُلِ تر چھوٹے

مرغِ دل چڑھ کے نظر پہ تری اس طرح گرا
پنجۂ باز سے جس طرح کبوتر چھوٹے

دلِ مجبور رہا ہوتے ہی زلفوں سے مرا
یوں قفس سے نہ کوئی طائرِ بے پر چھوٹے

گر کے برباد ہے آنکھ سے ہر قطرۂ اشک
دربدر ہو جو صدف سے کوئی گوہر چھوٹے

جھک کے ملتے ہیں مخالف سے بھی اربابِ کرم
دشمنی پر بھی نہ یوسف سے برادر چھوٹے

مست اس چشمِ سیہ کے نہ بچیں گے شبِ ہجر
مرگ مشکل ہے اگر ہاتھ سے ساغر چھوٹے

پھول گلشن سے جو نکلا تو رہا سر پہ قتیلؔ
ہے عروج اہلِ لطافت کا اگر گھر چھوٹے

کر گئی ختم اس گلی میں ان کی رعنائی مجھے
یہ قیامت دیکھئے، جنت میں موت آئی مجھے

باغ میں آئی بہار اور قید میں جی کا جنوں
فصلِ گل کی تارِ دامن پر خبر آئی مجھے

جنبشِ تیغِ دودم تھی ہجر میں ہر موجِ مے
جام میں تصویرِ قاتل کی نظر آئی مجھے

جام بھی اس نے دیا مجھ کو تو دستِ غیر سے
آبرو بھی اسکی محفل میں ہے رسوائی مجھے

بام قاتل طورِ سینا، چرخ گرداں، عرشِ حق
مل رہے ہیں غیب سے مضمون بالائی مجھے

شوق میں تا منزلِ مقصود پہنچا سر کے بل
پاؤں بن کر راہ پر لائی جبیں سائی مجھے

حشر میں بھی مے پرستی کا اثر یہ تھا قتیلؔ
اہلِ محشر نے پکارا کہکے صہبائی مجھے

داغِ شبِ ہجراں سے گلزار بہ داماں ہے
ہر قاشِ دلِ زخمی پھولوں سے گلستاں ہے

آئینہ بنا ڈالا دل کو مرے اس بت نے
جب دیکھیے ششدر ہے، جب دیکھیے حیراں ہے

اب دید کے قابل ہے صورت ترے قیدی کی
اِک چشمِ تماشا ہے، جو روزنِ زنداں ہے

زلفوں کے تصور میں بیدار ہو کیا قسمت
تعبیر سے خالی ہے، جو خواب پریشاں ہے

تصویر بھی وحشی کی تصویرِ جنوں ٹھہری
اک ہاتھ گریباں پر، اک ہاتھ میں داماں ہے

اب موت بھی آتی ہے ڈرتے ہوئے گھر میرے
اللہ رے ہیبت ایسی میری شبِ ہجراں ہے

دنداں کے تصور میں ٹھہرا نہ سرِ مژگاں
ہر اشک قتیل اپنا، اک گوہرِ غلطاں ہے

ہوا ہوں مالکِ دینار داغ کھانے سے
دلِ دو نیم مرا کم نہیں خزانے سے

بلا ہے، برق ہے، ناوک ہے، سحر ہے، کیا ہے
کہ چوٹ لگتی ہے دل پر نظر ملانے سے

پڑا ہوں در پہ محبت کی آگ دل میں لیے
میں سنگِ باب ہوں، لپٹا ہوں آستانے سے

محیط رہتی ہے کثرت پہ اس طرح وحدت
نمو جیسے ہو خرمن کی ایک دانے سے

اثر محال ہے فطرت پہ سعیٔ پیہم کا
نکل سکا خمِ گیسو کبھی نہ شانے سے

کڑی نگاہ تو قاتل کی تھی مگر ترچھی
ہمیشہ تیر الگ ہی رہا نشانے سے

وہ ایک دن تھا کہ آتے تھے بے بلائے قتیل
وہ ایک دن ہے کہ آتے نہیں بلانے سے

نہ اُترے جو ازل سے بھی وہ بارِ دوش اُتارا ہے
جزاک اللہ قاتل واہ وا، کیا ہاتھ مارا ہے

پُرافشاں گیسوؤں کو کس طرح تم نے سنوارا ہے
تماشا ہے فلک پر بدلیوں میں چاند تارا ہے

لگی داغِ وفا سے دل جگر پر مہرِ سلطانی
اک الفت کا قبالہ، اک محبت کا اجارا ہے

دُرِ مضموں چلے آتے ہیں سیلابِ معانی میں
طبیعت ہے کہ اک چڑھتے ہوئے دریا کا دھارا ہے

رہے گا تا قیامت نام میرا قصرِ الفت میں
کہ میری خاک کی اینٹیں لہو کا میرے گارا ہے

ہیں مٹنے پر بھی قصے دل جگر کے چار سو باقی
فقط اب نام باقی ہے، سکندر ہے نہ دارا ہے

شبِ وصل اسقدر جلدی ہے کیا اے شوخ جانے کی
ابھی باقی ہے شب، وہ چاندنی، وہ جلمل تارا ہے

دکھاتا ہے ہمیشہ پیرِ گردوں شعبدے لاکھوں
فلک ہے یا الٰہی، یا مداری کا پٹارا ہے

قتیل ان کے تغافل نے کہاں پہنچا دیا آخر
چمن زارِ دلِ شاداب اب اک اجڑا دیارا ہے

جو شیفتۂ ابروئے خمدار رہیں گے
قسمت سے ہمیشہ سرِ پیکار رہیں گے

اچھے نہ کبھی ہوں گے تری آنکھ کے مارے
بیمار تھے، بیمار ہیں، بیمار رہیں گے

اُڑ اُڑ کے پہنچ جائیگی خاک اپنی سرِ طور
مرنے پہ بھی ہم طالبِ دیدار رہیں گے

بام ان کا ہے یا عرش ہے منزلِ شبِ فرقت
اس پار یہ نالے، کبھی اس پار رہیں گے

کہتی ہیں یہی مجھ سے قتیل ان کی ادائیں
بیزار ہیں تا عمر وہ بیزار رہیں گے

اللہ ہی اس کا حافظ ہے، اب دل کا مداوا مشکل ہے
کس آنکھ سے تم نے دیکھا تھا، بیمار کا بچنا مشکل ہے

سیلابِ سرشکِ فرقت میں، مژگاں کا سہارا مشکل ہے
طوفان میں ٹھہرے تنکوں سے، چڑھتا ہوا دریا مشکل ہے

وہ ہیچ مپرسی فرقت کی، وہ موت کا آکر پھر جانا
جینا تو شبِ غم آساں ہے، عشاق کا مرنا مشکل ہے

اے ضبط دبائے دیتی ہے، اب دل میں لہو کی طغیانی
کوزے میں سمٹ کر بند رہے، بہتا ہوا دریا مشکل ہے

یہ فصلِ گل اور ماہِ رمضاں، اللہ کو مان اے شیخِ حرم
دو دن کی جو ہو تو مان بھی لوں، یہ ایک مہینا مشکل ہے

کس سے میں کہوں، اب کیا میں کروں، کس طرح بنے، کس طرح نبھے
ہر وقت خفا، ہر وقت کھنچے، ہر وقت تنے کیا مشکل ہے

ہر تارِ قتیلؔ ان زلفوں کا اک رشتہ ہے جانِ مضطر کا
رگ رگ میں سما کر بہ نکلے، نشتر پہ یہ سودا مشکل ہے

کبھی مجبورِ مطلق صاحبِ جوہر نہیں ہوتے
اڑا کرتے ہیں اکثر ہوش، لیکن پَر نہیں ہوتے

دلوں میں رہ کے دل سے آرزو کیا خاک نکلے گی
یہی وہ گھر ہیں صاحب، جن گھروں میں در نہیں ہوتے

زمانہ ساتھ دے جس کا مقدر جس کو چمکائے
سب آئینہ بنانے والے اسکندر نہیں ہوتے

جوانی آپ ہی سونہ یوں دل کا ایک زیور ہے
عروسِ گل کو صحنِ باغ میں زیور نہیں ہوتے

مسافر عافیت گھر کی سفر میں خاک پائیں گے
لحد میں سونے والوں کے لئے بستر نہیں ہوتے

سوا داغوں کے ثمرہ مل نہیں سکتا محبت کا
یہی وہ پھول ہیں کھل کر جو بار آور نہیں ہوتے

مقدر عاشقوں کے، یہ ہوں پامال انکو ٹھکرا دیں
دل ان کے دل نہیں ہوتے، سر ان کے سر نہیں ہوتے

بلا ہوتے، ستم ہوتے، غضب ہوتے، یہ سب ہوتے
مگر تم اے بتو نام خدا! پتھر نہیں ہوتے

جہان آباد کیسے آ گئے، خود ان کو حیرت ہے
شریک بزم اہل فن قتیل اکثر نہیں ہوتے

شب اندوہ ہے، میں ہوں خیال روئے جاناں ہے
خزاں میں بھی مری ایک ایک حسرت گل بداماں ہے

محیط ایسا ہے خوف ہجر ازل ہی سے محبت میں
کہ شمع زندگی اپنی چراغ شام ہجراں ہے

خود اپنا ہی نفس اب نوک کی لیتا ہے سینے میں
مژہ کی یاد میں مشکل سے اترے بھی تو پیکاں ہے

ریاضِ دہر میں آنسو ہی ثمرہ ہے جراحت کا
ترے خنجر کا پھل کھا کر مگر ہر زخم خنداں ہے

بہر صورت اجل ساماں ہے شہبازِ نظر ان کا
جو چلتا ہے تو خنجر ہے، جو اڑتا ہے تو پیکاں ہے

شکن خط جبیں کی زائچہ ہے کوچہ گردی کا
مری وحشت مری تقدیر سے دست و گریباں ہے

بلا زلفوں کی بھی کچھ کم نہیں آنکھوں کے فتنے سے
اگر نرگس کو حیرت ہے، تو سنبل بھی پریشاں ہے

یہ تیغ ابروئے پُرخم تھی یا میٹھی چھری قاتل
سراپا قند کا کوزہ مرا ہر زخم خنداں ہے

اِدھر آیا زباں پر اور اُدھر دل ہو گیا زخمی
قتیل اللہ اکبر نام بھی قاتل کا پیکاں ہے

پھول کی بُو تری ڈیوڑھی پہ مجھے لائی ہے
ساقیا، میکدہ آباد، بہار آئی ہے

پس گیا ہوں جو تری چشم سیہ پر قاتل
خاک برباد، مری سرمۂ بینائی ہے

تیغ ابرو کی محبت نے دکھایا مقتل — دانستہ کاٹ کے تقدیر کہاں لائی ہے
دربدر ہو گئے نکلے جو صدف سے گوہر — آبرو والوں کا گھر چھوڑنا رسوائی ہے
کوئی ہمسر نہیں تیرا صدف عالم میں — قلزم حسن میں تو گوہر یکتائی ہے
پاؤں تھک جائیں تو چل سر کے بل اے اہل طلب — کوچۂ عشق میں دم لینا بھی رسوائی ہے

حسن کا اہل ضیا پر بھی اثر ہے یہ قتیل
شمع سر دھنتی ہے، دیوانی ہے سودائی ہے

اے تیغ نگہہ، وارے تیر مژہ، گھائل کردے، بسمل کردے
سرتا بہ قدم ہو ذوقِ خلش، ہر عضو بدن کو دل کردے
جز کیف حقیقی کچھ نہ رہے، اے پیر مغاں وہ ساغر دے
کونین گریں آنکھوں سے مری اس طرح مجھے غافل کردے
جلوے ہوں جمال مطلق کے، ہو سر بہ گریباں دل جو کبھی
اے حسن تصور کاش تو ہی خلوت کو مری محفل کردے
کاسوں میں تو اپنی آنکھوں کے بھر بھر کے مئے گلرنگ پلا
ناقص ہوں میں تیرے مریدوں میں، اے پیر مغاں کامل کردے
ہر ذرّۂ خاکِ قتیل اک دل، ہر دل پہ گرہ اُن زلفوں کی
اے صلِّ علیٰ اس طرح کوئی، آسان مری مشکل کردے

تیر ہے ان کا ہم آغوش کماں میرے لئے — ہیں برابر ظلم میں پیر و جواں میرے لئے

تیغ قاتل نے پلایا جرعۂ آبِ حیات | موت لائی ساتھ عمرِ جاوداں میرے لئے
کیا کروں غنچہ ہے منہ پھٹ، تیز سوسن کی زباں | کوئی گلشن میں نہیں اب رازداں میرے لئے
چہرۂ منزل نظر آنے لگا ایک ایک گام | آئینہ ہے نقشِ پائے کارواں میرے لئے
کر سکا مجھ کو نہ سیراب آج تک ان کا ذقن | یہ کنواں بھی ہو گیا اندھا کنواں میرے لئے
واہ ری تاثیرِ شیون، اب کہاں سر پھوڑیے | موم ہے گھل گھل کے سنگِ آستاں میرے لئے
چہرۂ پیرِ مغاں کا عکس دیکھا جام میں | باغِ جنت ہو گئی مے کی دکاں میرے لئے
بازوؤں میں اپنے کلیاں ہو رہی ہیں رونما | شاخِ گل کا ہو قفس اے باغباں میرے لئے

ہوں سگِ در اُن کا، وہ بھی خاندانی اے قتیل
اور اوروں کے لئے ہو، استخواں میرے لئے

معین الدینؒ والملت، شہِ اقلیمِ عرفانی | علیؓ صورت، حسنؓ سیرت، ولی خاصِ ربانی
نظام الدینؒ، علاؤ الدینؒ، فرید الدینؒ و قطب الدینؒ | خدا گوئی، خدا بینی، خدا دانی، خدا خوانی
شعاعِ آفتابِ دیں، ضیائے ملتِ بیضا | تمہارا جلوۂ روشن تمہارا نورِ عرفانی
تمہارا چہرۂ انور بیاضِ مصحفِ عرفاں | تمہاری چشمِ روشن مظہرِ انوارِ یزدانی

ہوس جنت کی رکھیں کیا قتیل اس در کے وابستہ
اشارہ پائے تو رضواں کرے خود آ کے دربانی

اللہ اللہ روح پہ بیداد سی بیداد ہے | کنجِ زنداں جسم، طولِ زندگی میعاد ہے
جانِ شیریں ہجر میں صد مورد بیداد ہے | سانس میں اندازِ ضربِ تیشۂ فرہاد ہے

جیتے جی تا عمر اک سفاک سے تھا سابقہ　　موت پر سختی میں تربت کی زمیں فولاد ہے
رائیگاں وہ تیر جو اپنے ہدف سے دور ہو　　ان کے کانوں تک نہ پہنچے تو فغاں برباد ہے
قید سے تا عمر روح اک دن بھی نکلے کیا مجال　　خاک کا ہے جسم لیکن قلعۂ فولاد ہے
عیب ہے اہل لطافت کیلئے ترک وطن　　چھوٹتے ہی نکہت گل باغ سے برباد ہے

آئینہ دیکھا تو اُلجھے زلف میں پائے نظر
اے قتیل اب دام میں اپنے ہی خود صیاد ہے

داغوں سے صحن قلب حزیں لالہ زار ہے　　ہر آہ سرد، موج نسیم بہار ہے
وہ طفل سادہ لوح، مکدر رہا بجا　　آئینہ گرچہ صاف ہے دل میں غبار ہے
میرے کمند عشق میں خوش چشم ہیں اسیر　　یہ دل نہیں غضنفر آہو شکار ہے
دنداں کے عشق میں یہ ملی مجھکو آبرو　　اشک فراق سلک دُرِ شاہوار ہے

الٹا ہے نظم میکدۂ عشق اے قتیل
بیخود یہاں جو ہو وہ بڑا ہوشیار ہے

ہو گئے بدگماں وہ کچھ ایسا مری نگاہ سے　　آئینہ پر بھی ہے نظر دیدۂ اشتباہ سے
اشک فتادہ ہے کہ دل، اٹھ بھی سکا نہ راہ سے　　گر نہ گیا ہو یا خدا کوئی بھی یوں نگاہ سے
خاک بچے کسی کا دل، آنکھ تری جب اُٹھ گئی　　تیر کبھی پلٹ سکا، چل کے نہ اپنی راہ سے
پائے عروج ایکدن، سہہ لے جو ظلم اقربا　　تخت پہ ماہ مصر تھے، نکلے جو گر کے چاہ سے
اٹھ کے وہ آنکھ رہ گئی ہائے ری دل کی بے بسی　　تیر چلے بھی گر تو کیا، بچھڑ گئے چل کے راہ سے

اصل بس ایک ہی فقط، فرع کی انتہا نہیں　　راہیں ہزار جاتی ہیں چار سو، شاہراہ سے
ملتے ہی آنکھ حشر میں، دل بھی اُدھر ہی ہو گیا　　مارے گئے ہیں داد خواہ، اپنے ہی خود گواہ سے
قاصد خوش خصال کے فیض سے باریاب ہو　　واسطہ کر وزیر کو ملنے کا بادشاہ سے
گوندھنا تھا جو مجھ کو اک سبحۂ وحدت اے قتیلؔ
گوہر دل کے واسطے رشتہ لیا نگاہ سے

قفس میں آرزوئے آشیاں کچھ اور کہتی ہے　　مگر بیتابئ برق تپاں کچھ اور کہتی ہے
بہار آتے ہی بلبل، وہ نہیں صیاد کی آنکھیں　　نگاہ بد نصیب دشمناں کچھ اور کہتی ہے
تقدس ہے، تجمل ہے، یہ سب کچھ ہے، خدا شاہد　　حرم میں بھی مگر یاد بتاں کچھ اور کہتی ہے
ملیں گے پھیکے ہی پکوان اس جان ملاحت سے　　اگرچہ حسن کی اونچی دکاں کچھ اور کہتی ہے
نگاہ اولیں میں، حسن بن کر ہوں فسانے کا　　مفصل ہو تو پھر یہ داستاں کچھ اور کہتی ہے
چرانا آنکھ کا، عہد وفا پر، کیا یقیں آئے　　نظر کچھ اور کہتی ہے، زباں کچھ اور کہتی ہے
کشیدہ ہیں قتیلؔ ان کی بھویں چشم کرم پر بھی
لگاوٹ پر بھی یہ دہری کماں کچھ اور کہتی ہے

امیدوں پر یونہی پلٹے ہیں ٹکرے خانۂ دل کے　　سہارے پر رہا کرتی ہے جیسے اینٹ کہگل کے
کبھی الفاظ ہم پلہ نہیں معنئ مشکل کے　　سبک ہوتے ہیں قیمت میں ہمیشہ مغز سے چھلکے
جگر میں آبلے، انگور زخم قلب محزوں میں　　یہی تو چند دانے رہ گئے ہیں اپنے حاصل کے
ڈراتا بھی جو ہے واعظ تو ہول روز محشر سے　　ارے ہم دیکھنے والے ہیں اس قاتل کی محفل کے

جوان کے عارضِ گلرنگ کا ہے مرغِ دل شیدا
لگائے تیر میں قاتل نے اپنے پرِ حنا دل کے

پہنچتے ہی گلی میں ان کی نکلی جان قالب سے
عجب کشتی تھی یہ، آتے ہی ڈوبی پاس ساحل کے

قتیلؔ ان نکتہ سنجوں کی غزل اے واہ کیا کہنا
مرے دل نے بھی دی دادِ سخن پہلو میں ہل ہل کے

ملک سجدے میں ہیں اللہ ری تابش روئے زیبا کی
بڑے سر کو جھکایا مرحبا اے پیکرِ خاکی

ازل سے آتشِ رنگِ کبود اترا نہ گردوں کا
پڑی تھی اڑ کے کب اک چھینٹ میرے خونِ سودا کی

دُرِ معنی جو ہے مطلوب ڈوبے بحرِ مضموں میں
گہر غواص کو ملتا ہے لیکن تہہ میں دریا کی

کیا ہے لال کچھ ایسا لہو نے میرے چھالوں کے
ترستی ہیں تکلم کو زبانیں خارِ صحرا کی

پسِ مردن بھی عالم ہے یہ میری وحشتِ دل کا
کہ اک چادر رہی تربت پہ مری دامانِ صحرا کی

بُرا اس دل کا ہو، مرنا بھی مشکل کر دیا اس نے
کہاں سے نزع میں یاد آئی اس رشکِ مسیحا کی

قتیلؔ آئی ہے اس گل پیرہن کی یاد جب مجھ کو
کلی کھل کھل پڑی ہے میرے دامانِ تمنا کی

نہ جانے ہجر کی شب میرے مر جانے پہ کیا گزری
یگانے کا ہوا کیا حال، بیگانے پہ کیا گزری

بتوں کی بھی زباں پر تھا تمہارے حسن کا کلمہ
قدم رکھتے ہی دیکھا تم نے بتخانے پہ کیا گزری

لئے پھرتا تھا پتھر صبح ہی سے کل اک اک لڑکا
نہ جانے شام ہوتے ہوتے دیوانے پہ کیا گزری

نقابِ چہرۂ روشن اٹھتے ہی تھیں گل شمعیں
مگر یہ کچھ نہیں کھلتا کہ پروانے پہ کیا گزری

ہزاروں طرح یوں تو سن رہا ہوں طور کا قصہ
ذرا تم تو کہو موسیٰؑ، وہاں جانے پہ کیا گزری

نکلتے ہیں زمیں سے یوں تو کیا کیا خوشنما پودے
مگر قبل اس کے کچھ سمجھے بھی تم دانے پہ کیا گزری

اسیر زلف برہم پر، سزائے جرم الفت میں
نہیں کھلتا کہ پہلے قید سے، تھانے پہ کیا گزری

نہ سن سکتے تھے وہ جب نام میرا میرے جیتے جی
مرے مرنے پہ، جلنے میرے افسانے پہ کیا گزری

قتیل زار کو گھیرے ہوئے تھے آج کچھ لڑکے
نہیں معلوم اس کے بعد دیوانے پہ کیا گزری

فنا مل کر نظر سے، دلستاں معلوم ہوتی ہے
کہاں ڈوبی ہے قاتل اور کہاں معلوم ہوتی ہے

زبان خامہ شق ہے آجتک تحریر سے جسکی
ہمارے ہجر کی وہ داستاں معلوم ہوتی ہے

تمہارے آفتاب حسن کا مضمون کیا کہنا
زمین شعر رشک آسماں معلوم ہوتی ہے

وہی جوبن، وہی روغن، کوئی جادو ہے یہ دنیا
کہ اس پیری میں بھی اب تک جواں معلوم ہوتی ہے

ستاتا ہے فلک اہل محبت کو جواں بن کر
کمر ہر چند خم ہو کر کماں معلوم ہوتی ہے

رہا ہو کر شب غم چار دیوار عناصر سے
خود اپنی ذات رشک لامکاں معلوم ہوتی ہے

دم نزع آنکھ میں انجان صورت بن کے آجانا
اجل کے بھیس میں عمر رواں معلوم ہوتی ہے

قیامت کر رہا ہے ٹوٹ کر شمشیر کا ٹکڑا
دہانِ زخم سے باہر زباں معلوم ہوتی ہے

شب غم میرے نالوں پر تجاہل سے یہ فرمانا
قتیل بینوا کی یہ فغاں معلوم ہوتی ہے

حجاب دامن غم میں بہار نہاں ہے
وفور داغ سے سینہ مرا گلستاں ہے

یہ فصل گل ہے کہ فصل جنون گل یارب
نہ آستیں ہے نہ ثابت کوئی گریباں ہے

جفا سبب ہے مسرت کا درد والوں کو
ستم رسانیٔ نشتر پہ زخم خنداں ہے

ہیں دو ہی حرف مگر وہ بھی مل نہیں سکتے
غلط نہیں ہے، جو دل کا مآل ہجراں ہے

شبیہ بھی ہے قتیلؔ ان بھووں کی دشمن جاں
اگر نہ کھنچی بھی تو کھنچتے ہی تیغ براں ہے

ہوئے گم وہ میرے نالے کہ مقام تک نہ پہنچے
سر آسماں تو پہنچے، ترے بام تک نہ پہنچے

ہو خواص تک رسا کیا، جو عوام تک نہ پہنچے
ہیں وہ نطق بے صدا ہوں جو کلام تک نہ پہنچے

میرے غم میں تیری آنکھیں کبھی اشک سے نہ تر ہوں
یہی مئے ہے وہ جو ساقی، کبھی جام تک نہ پہنچے

وہ کھنچا وہ تیغ آسا، وہ کجی طبع برہم
جو اٹھے بھی ہاتھ اس کا تو سلام تک نہ پہنچے

رخ و زلف کے تصور میں ہے محو رہرو غم
یہ چلا ہوا سحر کا کہیں شام تک نہ پہنچے

ہے کلید حل مشکل، دم غم ندا علیؓ کی
وہ امیر ورنہ کیا ہے، جو غلام تک نہ پہنچے

ہے قتیلؔ خاص نسبت مجھے ارض کربلا سے
مری خاک رائیگاں ہو، جو امامؑ تک نہ پہنچے

حسن بے جلوہ، فریب گرمی بازار ہے
عشق سے خالی جوانی، ریت پر دیوار ہے

یاد کی گرد کدورت بڑھ کے اک انبار ہے
وصل کا امکان کیا جب بیچ میں دیوار ہے

مئے کا آنا منّ و سلویٰ کی طرح مشکل نہیں
اس دعا کے واسطے دست سبو درکار ہے

صرف اک ابرو کی جنبش ہی پہ کتنے کٹ گئے
کیا فقط تلوار ہی دنیا میں اک تلوار ہے

چشم خوں آشام نے لڑ کر کیا قصہ تمام
کام میں قاتل ہے، کہنے کے لئے بیمار ہے

کفر و ایماں کا نمونہ بن گیا شیخ حرم
بخیۂ دور قبا میں رشتۂ زنار ہے

رفتہ رفتہ سامنے آ ہی گئی منزل قتیلؔ
توسنِ عمرِ رواں کتنا سبک رفتار ہے

ترا جادو اگر اے چشم مئے آشام چلے
بزم میں مثل پری ہوش اڑے جام چلے

اک فقط میں ہوں جسے حکم نہیں آنے کا
ورنہ کوچہ ہے ترا، جیسے رہِ عام چلے

رخ و گیسو کے تصور میں جو گزرے اوقات
پھر ترا داؤں نہ اے ابلق ایام چلے

عشق پر بھی نہ گیا طالع خفتہ کا اثر
سو گئے پاؤں جو اس راہ میں دو گام چلے

گردش چشم مئے آشام کا مقصد ہے یہی
ہم نے مانا کہ نہیں پاؤں مگر جام چلے

ساتھ واعظ کو لئے جاتے ہو کیا کرتے ہو
ڈر رہا ہوں کہیں بھٹکے ہیں نہ تم تام چلے

کوئی مضموں مئے سر جوش کا لکھا جو قتیلؔ
داد دینے کو مجھے حافظ و خیام چلے

شب غم چاک دامن کا نمایاں ہوتا جاتا ہے
مرا دامن بھی اب یوسف کا داماں ہوتا جاتا ہے

ادھر ہیجان پر جذبات ہیں قلب شکستہ کے
ادھر اس شوخ کا گیسو پریشاں ہوتا جاتا ہے

چمکتے جا رہے ہیں تار گیسو تابش رخ سے
سوادِ زلف شبگوں نورِ ایماں ہوتا جاتا ہے

قیامت بن گیا فرقت میں آنسو کا ٹپک جانا
بلا کا ہے یہ قطرہ بڑھ کے طوفاں ہوتا جاتا ہے

گزرتا جا رہا ہے فرط غم میں عرش سے ہو کر
اک اک نالہ نشان حد امکاں ہوتا جاتا ہے

گل شاداب بنتے جا رہے ہیں داغ سینے کے
اک اک چاک جگر رشک گلستاں ہوتا جاتا ہے

قتیل اس مصحف رخ کی محبت واہ کیا کہنا
اک اک پارہ دلِ مضطر کا قرآں ہوتا جاتا ہے

جو گرا دیا فلک نے تو امید کیا زمیں سے
دل مبتلا کی قیمت نہ مجھے ملی کہیں سے

یہ نیا شگوفہ پھولا ترے باغ کی زمیں سے
کہ بہار جھانکتی ہے مرے چاک آستیں سے

جو ہو پاس رازِ وحشت کہ رفو ہو چاک دامن
تو بڑھا کے ہاتھ لینا کوئی تار آستیں سے

مجھے ضغطۂ لحد سے تو عبث ڈرا نہ واعظ
نہ دبا فلک سے بھی جو وہ دبے گا کیا زمیں سے

یہ کسے دکھا رہا ہے فلک اپنی برق پیہم
کہیں پڑ نہ جائے پالا مری آہ آتشیں سے

کہیں میرے دل پہ یا رب پڑی ہو نہ آنکھ اسکی
ہے یہ ضد کہ آئینہ تم مجھے لا کے دو کہیں سے

جو قتیل یہ خطا ہو کہ تو وصف مشک لکھے
تو بندھیں گے ہاتھ تیرے کسی زلف عنبریں سے

نظر کی نذر چشم سحر فن کی آزمائش ہے
جگر پر، دل پر، ان کے بانکپن کی آزمائش ہے

بکھیرے ہیں مژہ نے انکی کانٹے دشت الفت میں
جنوں کا امتحاں، دیوانہ پن کی آزمائش ہے

لب و دنداں سے انکے مانند اگر یہ ہے تو وہ بھید کا
یمن کی آزمائش ہے، عدن کی آزمائش ہے

ہدف ان کا، گلا، سینہ، کلیجہ، دل، جگر اپنا
وفا کے مرحلے ہیں، پنجتن کی آزمائش ہے

وہ گیسو جانے کیوں رخ پر ہوا کے آج بکھرے ہیں
خطا کا امتحاں ہے، یا ختن کی آزمائش ہے

زمیں، بحر، رعایت، استعارے، اس پہ تشبیہیں
یہ تو اس دور میں رنگ کہن کی آزمائش ہے

قتیل اک دن مٹھاس اپنی زباں کی بھی دکھا دوں گا
ابھی تو تلخیٔ کام و دہن کی آزمائش ہے

بساط دہر پہ دو دن اپنے سر سے بوجھ اتار آئی
جو پونجی بچ گئی تھی پاس، آخر وہ بھی ہار آئی

شکستہ حال آئی، سوگوار آئی، نزار آئی
تمہاری بزم میں جب شمع آئی اشکبار آئی

بڑی تقدیر ہے انکی، ملائیں جن سے وہ آنکھیں
مری جانب تو انکو دیکھ لینے میں بھی عار آئی

کفن پوشان الفت سامنے آجائیں مقتل میں
اجل نے لے کے نام ایک ایک کا جا کر پکار آئی

جوانی اے معاذاللہ، مشکل ایسی مشکل ہے
جو آئی بھی تو پوری عمر میں صرف ایکبار آئی

لگاوٹ دیکھئے زخم جگر سے انکی زلفوں کی
نسیم صبح آئی بھی اگر تو مشکبار آئی

قتیل آنکھیں چرائیں یار نے مجھ سے جو محفل میں
نظر اسکی طرف سے جا کے واپس شرمسار آئی

نقاب سرکی ہے صرف ابھی تو، وہ شکل زیب نظر بھی ہوگی
ابھی تو گویا سحر ہوئی ہے، اٹھیگا دن، دوپہر بھی ہوگی

فروتنی ہے کمال انساں، اسی میں ثمرہ ہے زندگی کا
جو شاخ جھک کر زمیں پہ آئے، یقیں ہے وہ بارور بھی ہوگی

بلا ہے یہ اور بلا بھی کالی، چڑھائیے اس کو سر نہ اتنا
یہ زلف شبگوں قدم بھی لیگی، الجھ پڑے تو یہ سر بھی ہوگی

جفا جو سہہ کر وفا کرے گا، وصال ہوگا اسی کا حصہ
وہ شاخ جس پہ تبر چلے گا، بڑھے گی بھی، پُرثمر بھی ہوگی

کمال کا تو ہوں میں بھی قائل، محامد و فضل کل مسلّم
مگر یہ واعظ ہیں، بھائی ناصح، ضرور تھوڑی کسر بھی ہوگی

ہے دل پہ موقوف آدمیت، اسی کی تعمیر اصل شے ہے
کلی ہی کھل کر چمن بھی ہو گی، یہ ورنہ ننگ شجر بھی ہو گی
وہ طور موسیٰ وہ تاب جلوہ، ذرا لگن اور تھوڑی بڑھ لے
وہی تجلی تو اک نہ اک دن قتیلِ خستہ کے گھر بھی ہو گی

شب غم بغیر اشک دیدۂ دل ہوتا جاتا ہے
سمندر رحم کے اپنا آپ ساحل ہوتا جاتا ہے

لب غنچہ پہ ہیں اس پھول سے رخسار کے نغمے
اک اک گل باغ میں رشک عنادل ہوتا جاتا ہے

خیال زلف میں آنے لگی ہے یاد عارض بھی
مرا ظلمت کدہ خورشید منزل ہوتا جاتا ہے

لگا دی خال نے بھی اک گرہ خود یاد گیسو پر
ہمارا عقدۂ دل اور مشکل ہوتا جاتا ہے

پکڑتی ہے زمیں راہِ وفا کی پاؤں وحشت میں
سمٹ کر جادۂ منزل ہی منزل ہوتا جاتا ہے

اداسی میری، رونق کا سبب ہے بزم دشمن میں
مرا رنگ پریدہ رنگ محفل ہوتا جاتا ہے

ہوا جاتا ہے پارہ پارہ فریاد عنادل سے
قتیل ایک ایک غنچہ روکش دل ہوتا جاتا ہے

نظر بھی جانب بلبل نہیں اٹھتی گل تر کی
کسی صورت نہیں جاتی ہے نخوت صاحب زر کی

شباب آتے ہی سو آرائشیں خود ساتھ لاتا ہے
جوانی کو کبھی پروا نہیں ہوتی ہے زیور کی

جو لکھا ماجرا خط میں شب غم ہوش اڑنے کا
ذرا اے ہمدمو پرواز تو دیکھو کبوتر کی

بتوں پر آ کے دل ہرگز سلامت رہ نہیں سکتا
کبھی شیشہ نہیں بچتا ہے کھا کر چوٹ پتھر کی

جو فیاضی ہو مقصد خاکساری اپنا شیوہ کر
رہی ہے خاک میں اکسیر چھپ کر کیمیا گر کی

خداوالوں کی نسبت مایۂ توقیر ہوتی ہے   پیمبر سے شرف باقی ہے، خود امت پیمبر کی

قتیل آنکھوں میں تابش ان کے رخ کی کیا سمائے گی
ہزاروں برق تڑپے گی، نقاب ان کی اگر سرکی

اس رخ پہ ابھی زلف سیہ فام نہیں ہے   یہ صبح حلب، جلوہ گہہ شام نہیں ہے
ہونے کی نہیں صبح شب زیست کی اپنی   یہ توسن عمر ابلق ایام نہیں ہے
افسانۂ فرہاد ہو، یا قصۂ مجنوں   جز مرگ کوئی عشق کا انجام نہیں ہے
رندوں کی مذمت تو کبھی، ہجو ہے مے کی   پھر کیا ہے اگر شیخ کو سرسام نہیں ہے
چھوٹے گا نہ تا عمر کوئی زلف کا قیدی   یہ بند اسیری گرہ دام نہیں ہے
شاداب ہے پھول سا چہرا ترا ساقی   ساغر میں مرے بادۂ گلفام نہیں ہے
یہ کہہ کے نکلوایا مجھے اپنی گلی سے   یہ رہ گزر خاص، رہ عام نہیں ہے
تیار ہوں اس بت کو میں ایمان بھی دیدوں   کمبخت کسی طرح مگر رام نہیں ہے

ہے ذکر قتیل اس میں یہ ہے قتل کا قصہ
سن لیجئے سچ ہے، کوئی الزام نہیں ہے

آسمان سر خوشی ہے صحن میخانہ مجھے   ماہ تاباں جام ہے، خورشید پیمانہ مجھے
کھینچتا ہے اپنی جانب آپ میخانہ مجھے   گردش ساغر ہے، سحر چشم پیمانہ مجھے
غم نہیں ساغر نہ دے، اے پیر میخانہ مجھے   آنکھوں ہی آنکھوں، خدارا، کوئی پیمانہ مجھے
گردش چشم قدح آشام اے تیری پناہ   ہے پری اڑتی ہوئی، ایک ایک پیمانہ مجھے

بحر میں اک بوند بھی نیچے نہ اتری حلق سے — موجۂ تیغ قضا ہے، رقص پیمانہ مجھے
اللہ اللہ کیا ہیں ساقی کی نگاہوں سے گرا — آنکھ دکھلانے لگا ایک ایک پیمانہ مجھے
بن کے پتلی رہ گیا عکس اس نگاہِ مست کا — اپنی آنکھوں میں نظر آتا ہے پیمانہ مجھے
قطرے قطرے میں نظر آتا ہے ساقی کا جمال — آئینہ ہے سامنے آتے ہی پیمانہ مجھے
دو ہی قطروں میں حجاب ظاہری کافور تھا — کاسۂ جمشید ہے، ایک ایک پیمانہ مجھے
غم نہیں مینا نہ ہو، پروا نہیں ساغر نہ ہو — مئے ہو ساقی، خود مرا چلو ہے پیمانہ مجھے

پھوٹی قسمت سے مری واقف جو ہے ساقی قتیل
جان کر ٹوٹا ہوا دیتا ہے پیمانہ مجھے

مار ہی ڈالا مجھے اس نے نگاہِ ناز سے — موت بھی، اللہ اکبر، آئی کس انداز سے
بزم ساری ہو گئی بیخود تری آواز سے — سوز برسا کیف بن کر نالہ ہائے ساز سے
ہٹ نہیں سکتی ہے آنکھ، انکی نگاہِ ناز سے — مرغِ دل اپنا لڑاتا ہے نظر شہباز سے
چاہیے دل کے خزانے پر رہے قفل سکوت — چھپ نہیں سکتا اگر واقف ہو کوئی راز سے
آنکھ کیا اس نے ملائی جان میں جان آگئی — کس طرح مردے کو زندہ کر دیا اعجاز سے
قدرِ جوہر سے ہوا کرتی ہے، بے جوہر نہیں — پر کی قیمت ہی جہاں میں قوتِ پرواز سے
آنکھ لڑتے ہی ہوا انکی نگاہوں کا اسیر — مل گیا انجام کا اپنے پتہ آغاز سے
اک لبِ جاں بخش نے کتنوں کو زندہ کر دیا — حور شرماتی ہے جنت میں تری آواز سے
طائرِ دل کا بس اب اللہ حافظ ہے قتیل — لڑ گئی ہے آنکھ اپنی اک قدر انداز سے

جادۂ مقصد بھنویں ہیں اس بتِ بے پیر کی
لاش بہہ کر پار اتری، دھار میں شمشیر کی

رہ گئی سادہ ورق بن کر مری لوحِ جبیں
روشنائی اڑ گئی کلکِ خطِ تقدیر کی

چاہیے ابرو کو بھی کھنچنا تری مژگاں کے ساتھ
ہے کماں پر منحصر پرواز قاتل تیر کی

یوں تصوّر نے اتارا دل میں عکسِ روئے یار
جس طرح تصویر کوئی کھینچ لے تصویر کی

نالۂ بلبل سے پھولوں کو چمن میں واسطہ
اہلِ زر فریاد سنتے ہی نہیں دلگیر کی

سعیِ پیہم میں ہے پنہاں حلِ رازِ ارتقا
کر جلا آئینۂ تقدیر پر تدبیر کی

پاک تھا قصّہ مرا مقتل میں کب کا اے قتیلؔ
میرے قاتل ہی نے آنے میں ذرا تاخیر کی

جو ان آنکھوں کی گردش یاد میخانے میں آتی ہے
پری بن بن کے مے شیشے سے پیمانے میں آتی ہے

خیال آتا ہے اجڑے دل میں اُس روئے طلائی کا
کہاں سے کھنچ کے دولت میرے ویرانے میں آتی ہے

نظر آتے ہیں اس میں گلشنِ فردوس کے جلوے
جو یاد اس شوخ کی دل کے سیہ خانے میں آتی ہے

کمندِ حسن پر ہوتا ہے جذبِ عشق جب غالب
ہماری داستاں بھی ان کے افسانے میں آتی ہے

قتیلؔ اسرارِ معنی جھک میں کہہ جاتا ہے وہ اکثر
کہاں سے بات ایسی ان کے دیوانے میں آتی ہے

حالا ختم شد — تمّت، شکرِ خدا

۸۴ ۱۳ھ — ۶۵ ۱۹ء

قتیل کی چند تصنیفیں

انگریزی

۱- محمدان ڈواین بکس
۲- قتیلس میسج ٹو دی ورلڈ
۳- محمد دی لاسٹ پروفٹ
۴- دی ڈواین پرومسنر
۵- ایبر ہمس سیکریلیس
۶- محمد دی ورلڈ پروفٹ
۷- اے لٹر ٹو آول
۸- قتیلس ارڈو پروسوڈی انٹو انگلش (تشنہ طبع)

فارسی

۹- ساغر کیف (دیوان فارسی)

اُردو

۱۰- رباعیات
۱۱- انتساب
۱۲- اذر کال
۱۳- خزینۃ الانوار
۱۴- نور مجسم
۱۵- مصلح آخرت
۱۶- ظہور انوار
۱۷- نورٌ علیٰ نور
۱۸- سید العرب والعجم
۱۹- محاربۂ اشتہار آرہ
۲۰- راوی علم غیب
۲۱- مناظرۂ میلاد افزا
۲۲- ذبح عظیم
۲۳- بارہ شہزادے
۲۴- کفر یزید
۲۵- مشکوٰۃ حقیقت
۲۶- تضمین جمیل بر خیر السبیل
۲۷- مسئلہ مرغوب (خرد)
۲۸- مسئلہ مرغوب (کلاں)
۲۹- تاریخ سلف
۳۰- ظل نجات
۳۱- اخوان بدخصال
۳۲- تہتر فرق
۳۳- تجلیات قتیل (دیوان)
(۳۴) گنجینۂ قتیل مع ضیاء العروض (تشنۂ طبع)
۳۵- شجرات گل افشاں